

A meeting between the Vice-Chancellor and the representatives of Karachi University Teachers Society was held on Monday, 11 January, 1971, at 11.30 A.M. in the office of the Vice-Chancellor. The following attended:-

۱۱ فروری ۱۹۷۱ء

1. Vice-Chancellor
2. Dr. M. A. R. Qadri
3. Dr. H. Atiqullah
4. Dr. M. R. Qazi
5. Dr. Mohammad Yusuf

بیت دین  
میل و نہار

The Vice-Chancellor conveyed the assurance of the Chancellor that the Ordinance will be revised as soon as it is possible and that action was already underway. The Chancellor, however, regretted that because of the necessity of consulting other governments he could not give a firm date by which the new Ordinance would be promulgated.

2. It was agreed that recommendation will be made to the Syndicate and the Government that there should be a single grade of lecturers i.e. Lecturer Grade I with a salary of Rs. 1,30 and that Efficiency Bar will be crossed in accordance with the criteria of three years teaching experience at the Honours and Postgraduate level and demonstrated research ability.

3. It was also agreed that the criteria prescribed for Associate Professors would be applied to the existing Lecturers and if they come up to the standard prescribed a corresponding number of posts of Associate Professors will be advertised and they will be appointed and their post will be upgraded if the applicant lecturers are found suitable for appointment as Associate Professors under the existing Ordinances and Regulations.

4. If these conditions are acceptable to the Teachers Society and they withdraw the strike notice the Syndicate will take action as soon as possible.

۱. ۴. P. Qadri  
11/1/71

2. 2. 2. 2.

Handwritten signature

Handwritten signature



زیادہ منافع حاصل کیجئے

# فتوحی بچت کی اسکیموں میں لگائیے

اپنی رستم

## ڈیٹس سٹیونگ سٹیفیکٹ

یہ اپنی نوعیت کی واحد سرمایہ کاری ہے جس پر آپ  
کمی و بیشی سے چھٹیا ذرا فتنی طور پر  
سب سے زیادہ منافع حاصل کرتے ہیں  
جن پر انکم ٹیکس بالکل صاف ہے  
ماہانہ سالانہ شرح منافع کے حدود  
ان سٹیفیکٹ کی خرید واری میں  
لگائی ہوئی رقم پر بھی انکم ٹیکس  
بالکل معاف ہے۔



## پوسٹل لائف انشورنس

پوسٹل لائف انشورنس ملک میں زندگی  
کے ہر کسب سے بڑا ادارہ ہے حکومت  
کے زیر انتظام اس کا تمام  
منافع بالیسی ہونڈوں میں  
تقسیم کر دیا جاتا ہے اس کی پریمیٹم کی  
شرح دسوی انشورنس کمپنیوں کے  
مقابلے میں بہت کم ہے اور بڑی  
گڑھ سب سے زیادہ ہے۔



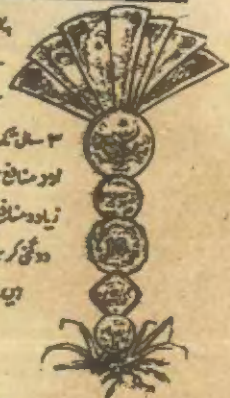
## انعامی بانڈ

بھرت گ بھرت، انعام کا انعام  
مقررہ بھرت کے ساتھ ہر ہفتہ  
نقد انعامات حاصل کرنے کے  
مقابلے میں لگائیے۔ پانچ روپے  
یا انعامی بانڈ میں بھرت ہر ہفتہ  
بھرت ہونے کے ۱۰ منٹات بعد  
انعام ہونے کی اطلاع پانچ روپے ہر ہفتہ  
بھرت کے ۱۰ منٹات تقسیم کے ہوتے ہیں۔

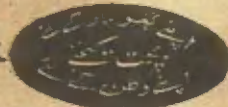


## پوسٹ آفس سٹیونگ بینک

پوسٹ آفس سٹیونگ بینک میں  
سب سے زیادہ منافع ملتا ہے  
سٹیونگ اکاؤنٹ پر ۱۰ فیصد  
۳ سال تک کے معیاری حسابات پر ۱۰ فیصد  
نود منافع ہونے کی صورت میں ۱۰ فیصد سے  
زیادہ منافع ملتا ہے۔ سٹیونگ بینک میں بھرت  
ہونے کی صورت میں ہر ہفتہ کسی وقت بھی نکال سکتے  
ہیں۔ تمام رقم پانچ روپے یا اس سے کم ہے۔



پبلک ریسرچ سوسائٹی ڈائریکٹ آف انیشیائی سوسائٹیز۔ اسلام آباد



ORIENT



# لیکچر روزہ

جلد ۲، ۱۵ تا ۲۱ فروری - ۱۹۷۱ء شماره ۷

## اشارہ تحریر

فیض احمد فیض — حسن عابدی  
امین بھٹل لاہور — احمد ایلاس ڈھاکہ



- عوامی لیگ کیا فیصلہ کرے گی؟ — ۶  
ساتواں صفحہ — ۷  
غالب کی انسان دوستی — مولانا غلام رسول مہر — ۹  
انقلابی طریقہ جنگ کیا ہے؟ — ڈاکٹر اقبال احمد — ۱۲  
جامعہ کراچی میں ایک یادگار دن — نسیم آروی — ۱۳  
مشرقی بنگال میں بائیں بازو کی تحریک — ۱۵  
منظم — ۱۷  
"سامراجی ہمیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں" — ۱۹  
سامراج کو آخری قہر سے بھی نکلنا پڑے گا — ۲۱  
دربار کے کنارے — ۲۵  
[دیوگوسلایہ کا ایک جدید افادہ] — ۲۵  
پشاور میں رہائشی مکانات کا مسئلہ — ۳۱  
کے کی قیمت اور جاری معیشت — ۳۳  
امان اللہ خاں — شخصیت — ۳۷  
کراچی میں روسی کتب کی نمائش — ۳۸  
جامعہ میں یونین کے انتخابات — ۴۱  
ادارہ عہد یاروں کے انٹرویو —



فون نمبر — ۳۱۷۴۹۸

## قیمت

مغربی پاکستان میں — ۶۰ پیسے  
مشرقی پاکستان میں — ۷۵ پیسے  
گوا در — ۷۰ پیسے  
برطانیہ میں — ہنگامہ پیش

پوسٹ بکس کراچی ۲۵

# اندیشہ سود و زلیں

لاہور میں ہندی طیارے کی تباہی سے وہی نتائج برآمد ہوئے جن کا خدشہ تھا، دہلی میں ہمارا سفارت خانہ جن تنگی اور مہاسبعالی فسادوں کے ترغیب میں ہے۔ بڑودہ اور جمنا باد میں مسکمانوں کی جانب سے تلف جو رہی ہیں، فرقہ پرست جماعتوں کے دباؤ میں آکر اور انتخابات میں اپنا بھرم رکھنے کی خاطر اندرا حکومت نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پاکستانی طیاروں کی پرواز بند کر دی ہے اور کسی شہوت یا جواز کے بغیر ہوائی اعذار کی ذمہ داری حکومت پاکستان کے سرکوب دہی ہے۔ رد عمل کے طور پر پاکستان میں بھی ہندوستانی سفارت خانوں کے خلاف مظاہر وں کا سلسلہ جاری ہے گویا دونوں جانب کشیدگی بڑھ رہی ہے، جذبات مشتعل ہو رہے ہیں۔ اور دونوں ملکوں میں ٹکراؤ (CONFRONTATION) جو اب تک محض نظریاتی یا خیالی چیز تھی ایک بھائی بھائی حقیقت بن چکا ہے، تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اپنے گھر میں مشرقی پاکستان کی سب سے فوری سیاسی جماعت اور اس کے رہنما مدح سرائی میں مصروف، ایک ہی سیاسی جماعت یعنی کونسل مسلم لیگ کے ایک لیڈر سردار شوکت حیات صاحب کشمیری نوجوانوں کے اس اقدام سے ناخوشی کا اظہار کر رہے ہیں تو دوسرے رہنما ایمرارشل نوصال صاحب ان کی پیٹھ پیٹھ کر رہے ہیں۔ اور تو اور آزاد کشمیر کے منتخب صدر سردار عبدالقیوم صاحب نے بھی طیارے کی تباہی کی مذمت کی ہے جس کے جواب میں دوسرے کشمیری رہنما سردار صاحب کی مذمت کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے ایک ترجمان اخبار نے تو یہاں تک بگڑ دیا ہے کہ دیگر اشتعال انگیز کارروائیوں کی طرح بہت ممکن ہے کہ یہ کارروائی بھی پاکستان میں جمہوریت کے قیام اور عوامی حکومت عوامی نمائندوں کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کے خلاف کوئی دہرہ سازش ہو،

یعنی دونوں خانہ بھی افتراق ہے یہ دونوں دوسری خلفشار، ہم ایک گزشتہ اشاعت میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ کسی مسئلے کے بارے میں بحث و فکر کے لئے عوام دوست اور باشعور لوگوں کا معیار غیر دشر یا پانچ سو دو زلیاں کیا ہو نا چاہیے۔ یہ پانچ سو دو زلیاں یعنی پانچ سو دو زلیاں کی بھلائی اور ان کی مشکلات کا مداوا۔ دوم ان فزیت اور عوام کی بھلائی جن سے ہمارے خونی، ادنیٰ اور تاریخی رشتے ہیں جیسے اہل کشمیر یا ہندی مسلمانوں سے ہیں۔ سوم عوام کی مالکیت و ملکیت کی بھلائی اور داخلی اور خارجی جوہر اتصال سے ان کی نجات،

یہ معیار وہ ہیں میں رکھیے اور مسئلہ کشمیر، مسئلہ پاکستان کے یا ہی اختلافات اور بغیر کی گزشتہ تینیں میں کی سیاسی تاریخ پر منجھا ڈالئے تو دو چار خفاتی سامنے آتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ گزشتہ تینیں برس میں سبھی حکومتیں اہل کشمیر کی جہد آزادی کی نامید حمایت کا دم بھرتی رہی ہیں لیکن اس دوران میں ہم اس جہاد کو تو کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچا سکے البتہ اس کے نام پر ہم نے اپنے عوام کو منظم سے غلط اثر اور مجبور سے مجبور تر بنائے ہیں ضرر کامیابی حاصل کی ہے، سیدھی تو نہیں بنائے گئے، تجربہ و فکر پر پیرے بھلے گئے، لہذا دیوینکٹ اور سینڈو، سینڈو کی زنجیریں گھڑیں ڈالی گئیں، ایک تباہ کن جنگ کا سامنا کیا، بیش قیمت جانوں کی قربانی دی، دفاعی مصافحے میں بے اندازہ ضائع کیا اور تو می معیشت کی اس دقت جو توشیح کا صورت حال ہے سب پر ظاہر ہے نتیجہ یہ ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام کا اب تک کوئی خاص بھلا نہیں کر سکے لیکن اپنے عوام کی غلامی اور تباہ حالی میں ضرر و خدادہ کر سکے ہیں، اس سے ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ ہمیں اہل کشمیر کی سرفروشانہ سرگرمیوں میں ان کا ساتھ نہیں دینا چاہیے تھا یا اب ان کی امداد کے لئے تھک چکے ہیں، اس سے یہ بھی مراد نہیں کہ موجودہ



صورت حال کی ذمہ داری کلی طور پر ہمارے حکمران طبقوں پر ہے اور ہندوستان کے آرباب اقتدار اس سے بڑی ذمہ داری  
ہیں، یقیناً اس میں ان کی عوام دشمن حکمت عملی کو بھی اتنا ہی دخل ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کشمیر اور اہل  
کشمیر کے تمام تر محنت اور لگن کے باوجود اپنی سیاست اور معیشت کی اصلاح کے بغیر ان کے اصلاح احوال کی  
تبدیل کیونکر کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ہاں کسی مضبوط اور مستحکم آزاد جمہوری اور فلاحی معاشرے کی تشکیل نہیں کر پاتے،  
تو کسی اور مفہور اور مظلوم معاشرے کے نجات دہندہ کیونکر بن سکتے ہیں، اپنے گھر کی بریادی سے ہمارے گھر کی بریادی  
کا سامان کیسے ہم کیا جاسکتا ہے اور اپنے بازو توڑ کر کسی عزیز کی خاطر شمشیر نہیں کر چلائی جاسکتی ہے، اور جیسا کہ ہم ان  
صفحات میں پہلے لکھ چکے ہیں اس حقیقت کا احساس صرف ہمیں پر فرض نہیں، ہمارے کشمیری احباب و اعدا پر  
کلی واجب ہے جس طرح پاکستانی عوام ان کی جہد حریت میں ان کے ساتھی اور رفیق ہیں اسی طرح انہیں بھی پاکستانی  
عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیے جس سے آزادی، جمہوریت اور معاشی  
انصاف کی جہد میں ہمارے عوام کے لئے مشکلات پیدا ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر سچا سچ لاکھ اہل کشمیر ہمارے عزیز اور قربت دار ہیں تو اسات کو ہندی مسلمان  
بھی تو اغیار نہیں، اگر ہم اہل کشمیر کا دکھ درد اپنے رگ و پے میں محسوس کرتے ہیں تو اس کیسے زیادہ کیفیافت زدہ  
مخلوق کے رنج و کام محسوس کرنے کے لئے بھی تو ہمارے دل میں کوئی جگہ ہونی چاہیے۔ اگر ہم کشمیری عوام کی آزادی اور  
حق خود مختاری کے حصول کی خاطر ان کی امداد و اعانت اپنا فرض گردانتے ہیں تو کیا ہندی مسلمان عوام کے اعتبار میں  
ہماری قطعی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ جس طرح ہمیں دعویٰ نہیں ہے کہ مقبوضہ کشمیر پاکستانی علاقہ ہے جسے بڑے شمشیر  
حاصل کر لینا ہمارا حق ہے، اسی طرح ہم یہ بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ ہندی مسلمان پاکستانی باشندے ہیں جن کے جائ مال  
کا تحفظ ہمارا کوئی قومی فرض ہے، لیکن جس طرح ہم نے اہل کشمیر کی امداد و اعانت کے علاوہ یہ اقداد بھی اپنے پر غائد  
کر رکھی ہے کہ ہماری جانب سے کوئی ایسا اقدام نہ ہو جس سے ان کے قومی مفاد کو گزند پہنچے، انصاف کا تقاضا ہے کہ  
اسی نوع کی احتیاط ہندی مسلمان عوام کے بارے میں بھی ہمارے پیش نظر رہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بھارت کے  
جن سنگھی اور ہٹا سبھاوی دندوں کو ہماری جانب سے خونے بد کی تسکین کا کوئی ایسا بہانہ بہم نہ پہنچے جس سے ان کے  
مظالم کا دائرہ اور وسیع ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہندوستان کی دستوں میں صرف ساہوکار بنیے، سرمایہ دار جن بھی اور ہٹا سبھاوی ہی  
نہیں لیجئے مظلوم کساول، مفلس مزدور و دل کا ایک انبوہ دل بھی ہے جنہیں نہ اہل کشمیر کو غلام بنائے رکھنے سے کوئی ناغہ  
پہنچتا ہے نہ مشرقی پاکستان کے دریاؤں کا پانی روکنے سے روٹی کپڑا ہم پہنچتا ہے لیکن اسکے باوجود دل کے درد پرست  
عناصر اور مفاد پرست آرباب اقتدار نے ان کی آنکھوں پر تعصب، فرقہ پرستی اور پاکستان دشمنی کی ایسی پٹیاں باندھ  
رکھی ہیں کہ وہ اپنے بھلے بڑے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ انہیں صحیح فکر اور بینائی تو انہیں کے اہل دل اور اہل نظر  
بمبش سکتے ہیں لیکن اگر ہم اپنے عوام کے عقل و شعور اور بصیرت و بینائی کو فروغ دے سکیں تو شاید اس کا  
کچھ لو جتن کر اُدھر بھی پہنچ جائے، لیکن اگر اس کے خلاف ہمارے آرباب سیاست اپنی دوکان چمکانے کی خاطر  
اپنے عوام سے عقل و دانش کی روشنی چھیننے کے ذریعے رہیں تو دونوں جانب تو وہ اندھیرا اور بھی گہرا بن جائے گا جس  
کی تود میں قتل و غارت، خوف و دہشت اور بھی طرح سے جرائم اور مظالم پرورش پائے ہیں۔

ہمارے سخن صرف اپنے ملک عوام دوست اور باغیر اور اسی سے نہیں نہ وہ یک طرفہ سے یکطرفہ لکھا سکتے ہیں، ہمارا  
خطاب ہمسایہ ملک کے معقول اور ترقی پزیر عناصر سے بھی ہے، ان پر بھی یہ فرائض عائد ہوتے ہیں کہ وہ اپنے عوام اور اپنی  
حکومت کو معقول اور منصفانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کریں اور انہیں ہر مسئلے کو مفاد پرستی، فرقہ داری اور پاکستان دشمنی کی  
چینک لٹکا کر دیکھنے کے بجائے دونوں ملکوں کی عوامی بھلائی کی روشنی میں دیکھنا سیکھائیں۔

یہ نو ظاہر ہے کہ کشمیری حریت پسندوں کی نہ پاکستان کے عوام سے لڑائی ہے نہ ہندوستان کے عوام سے، ان کی جگہ  
ہندو سرکار اور ہند کے جوت پسند فرقہ پرست طبقوں سے ہے۔ اس جنگ میں انہیں پاکستان کی کبھی سیاسی جماعتوں اور  
ہندوستان کی بھی بعض روشن خیال ترقی پسند جماعتوں کی ہمدردی حاصل ہے۔ ان کی اپنی کوششوں کے علاوہ ان کی  
کامیابی کی ایک ضمانت یہ بھی ہے کہ انہیں نہ صرف یہ ہمدردی حاصل ہے بلکہ ان کے ہمدردوں کی قوت میں اضافہ اور ان  
مخفیہ کی صفوں پر بھی ہو، ان کے لئے اپنی جنگ میں ہر حربے کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ اس کی زبان کے دشمنوں  
کے بجائے ان کے دوستوں پر نہ پڑے، بد قسمتی سے لاہور میں ہندوستانی لیٹارے کی نیا ہی کا قصبہ لگنے کے ذلت انہوں  
نے اس مسئلے کے سب پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔



# ۱۴ فروری، مستقبل کی سیاست کا محور بن گئی

عوامی لیگ کی مجلس عاملہ دور رس فیصلے کرے گی۔  
کیا شیخ مجیب، بھٹو کے مقابلے میں رجعت پرستوں کی "دوستی" پر اعمتاً ذکر لیں گے؟

کوئی دستور تیار کیا تو پھر "جمہوریت" کے وہ تمام دعوے غلط ثابت ہوں گے۔ جو انہوں نے جمہوریت کی بجائی کی جدوجہد کی ابتدا کرتے ہوئے عوام سے کئے تھے۔

سیاسی مبصرین کے نزدیک ملک کی موجودہ اقتصادی اور سیاسی صورت حال بھی عوامی لیگ کی مرکزی قیادت کیلئے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ایک طرف ملک کو درپیش اقتصادی مسائل اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال ہے۔ جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ ریاست صورت کی بھستی ہوئی لگائی ہے روزگاری صنعتی علاقوں میں بے چینی اور مہاشی بحران پر قابو پانے کے لئے جلد از جلد اب ان پروگراموں پر عمل کرنا چاہئے جنہیں عوام نے شرف قبولیت بخشا ہے۔ دوسری طرف وہ اہم سیاسی مسائل ہیں جو گذشتہ ۲۳ برس کے دوران میں ملک کے مختلف صوبوں اور دونوں بازوؤں کے درمیان دوری، کشیدگی رہے، اقتصادی سیاسی کشش اور علاقائی جھگڑے کو برطانوی چڑھاتے رہے ہیں۔ اور جس کے نتیجے میں آج بھی کہیں لسانی شادوات ہو رہے ہیں تو کہیں مذہبی جذبات بھڑکاتے جا رہے ہیں۔ کہیں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی جا رہی ہے تو کہیں ملک کے خارجی مسائل الجھائے جا رہے ہیں۔ سیاسی مبصرین کے خیال میں ان حالات کو مستقل طور پر ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے نمائندوں کو جلد از جلد بے موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اپنے پروگراموں کے مطابق گذشتہ ۲۳ سال میں پیدا ہونے والے ان مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔

اس میں منظر میں عوامی لیگ کے ائمہ، اجلاس بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم ان عوامل کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو عوامی لیگ کے اس اجلاس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس وقت ملک میں بالخصوص مغربی پاکستان میں ایک ایسی کشیدہ فضا پیدا ہو گئی ہے جس کا مغربی پاکستان کے سیاسی حلقوں پر شدید رد عمل ہوا ہے مغربی پاکستان میں پچھلے چند دنوں کے اندر جو واقعات پیش آئے ہیں ان میں سرگرم شیعہ حریت پسندوں کی جانب سے جہارتی ساز پروپاگنڈا کا اعلیٰ اداس کی تباہی ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس نے مغربی پاکستان کے سیاسی حلقوں بالخصوص عوامی لیگ مجلس ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کو (باقی صفحہ ۴۰ پر ملنا ضروری ہے)

دو چار ہے۔ ملک کی اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے عوامی لیگ کے لیڈروں کو اس بات کا احساس ہے کہ ان کے کانھوں پر دستور سازی کا عظیم بوجھ آن پڑا ہے۔ اور شرقی پاکستان کے عوام نے انہیں پاکستان کے پہلے عام انتخابات میں اپنی نمائندگی کا حق دے کر ان کو ایک ایسی آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ اگر وہ عوام سے کئے گئے وعدے پورے کرنے میں ناکام رہتے تو ان کی سیاسی صورت یقیناً ہے اور دوسری طرف اگر انہوں نے مغربی پاکستان کے عوام کی خواہشات اور امنگوں کے برخلاف

عوامی لیگ کی سربراہ شیخ مجیب الرحمن ۱۴ فروری کو اپنی پارٹی کے اہم لیڈروں سے ملک کی موجودہ صورت حال پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔ اس موقع پر عوامی لیگ کی صوبائی و قومی اسمبلی کے اراکین کا مشترکہ جلسہ بھی منعقد ہو رہا ہے۔ اور پارٹی کی صوبائی و مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس بھی ہو رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے یہ اجلاس ایک ایسے موقع پر ہو رہے ہیں جب پاکستان صحیح معنوں میں نازک سیاسی صورت حال سے

## یہ فالتوز میں پہلے کہاں تھی؟

سوچئے کہ یہ زمین اگر کاشت ہوتی تو پاکستان کتنی مصیبتوں سے بچ جاتا۔ جسے فتنی زبدا ولد خراج کر کے دوسرے اناج نہ ملکا ناپڑتا، وہ پی۔ ای۔ ۸۴ کی لعنتوں سے محفوظ رہتا جس کے تحت اناج بیج کو امریکہ نے پاکستان میں ایک ادب رو پیہ اپنے کھلے تین بیج کو کھلے انداز میں رقم سے اپنے حاربوں کو مالی امداد کرتا ہے۔

پنجاب اسمبلی میں سپر پلا پارٹی کے کامیاب امیدوار مشر عبد الحفیظ کا دارائے فالتوز اراکین کے بارے میں بعد ازاں دیونو کے اعلان پر سخت حیرت کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس زمین کی عاجلانہ تقسیم کی جائے۔ بہتر ہو گا کہ اس کے بارے میں تفصیلات مہیا کی جائیں، اور تقسیم کا کام صوبے کی آئندہ حکومت کے سپرد کر دیا جائے۔ اتنے وسیع رقبہ آراہنی کا طویل عرصے تک بیکار پڑا رہنا انتہائی افسوسناک ہے، چنانچہ مشر کا دارائے اپنے جیہان میں اس "مجرمانہ کوتاہی" کے ذمہ دار افراد کے خلاف سخت کاہروائی کا مطالبہ کیا ہے اور سوال کیلئے کہ یہ کام جو آج کل کے لئے آشکارا کیا گیا تھا، آخر اب سے پہلے کیوں پورا نہیں کیا گیا یہ مطالبات بالکل جائز ہیں، ان میں امن ماننے کی گنجائش محض اتنی ہے کہ حکومت کو دو صوبوں میں بھی حالات کا جائزہ لینا چاہیے کون جانے، کتنی سرکاری اراکین کہاں کہاں ویران پڑی ہو، اور جو کچھ انھیں آباد کرنے کی اہمیت رکھتے ہیں وہ بے خانان اور دانے دانے کے محتاج ہوں۔

بورڈ آف دیویو پنجاب کے ایک رکن نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ صوبے میں ۸۳ لاکھ ایکڑ قابل کاشت سرکاری زمین بیکار پڑی ہے اور حکومت اس زمین کو بے نتیجہ کاشتکاروں پر تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ دریائے ستلج کی ایک جگہ میں کھلی آبی ہے لیکن اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ گذشتہ ۲۳ سال میں یہ فاضل زمینیں بے زمین کاشتکاروں میں کیوں تقسیم نہیں کی گئیں۔ ملک میں بار بار اناج کا کال پڑا اور اب بھی ہے حکومت کو اناج کی بھیک مانگنے کے لئے دروازہ کھولنا پڑا اور ملک کے موت و وقار کو قربان کر کے "تھینک یو" امریکہ کا طوق غلامی پہننا پڑا منعقد دار پتیدا وار بڑھاؤ کی ہم شرم شرم کی گئی۔ اتوب خاں کا نام نہاد "ذمہ اصلاحات" کا ڈھونگ دیا گیا۔ کسان کمیٹیوں نے بار بار مطالبہ کیا کہ جبر سرکاری زمینوں کو کاشتکاروں میں بانٹ دیا جائے لیکن بورڈ آف دیویو کے کان پر جو جگ نہ رہی۔ جبر زمین کوئی پوشیدہ خزانہ نہیں کہ اچانک دریافت ہو گیا ہو۔ ایکڑ دو ایکڑ زمین ہوتی تب بھی کہا جا سکتا تھا کہ پٹواری کے کھاتے پر درج نہ تھی، ۸۳ لاکھ ایکڑ زمین تو ڈھکی چھپی چیز نہیں۔

افسر شاہی کی اس مجرمانہ غفلت سے عام انسان کے مطابق پاکستان کو ہر سال دس منی ایکڑ کے حساب سے تقریباً آٹھ کروڑ من اناج کا خاندہ چولہے یعنی گذشتہ ۲۳ سال میں ۲۰ ارب من اناج کا یعنی تقریباً ۲۵ ارب روپے کا۔ ذرا



# ساتواں صفحہ

انہی دنوں کچھ پرجوش اردو دوستوں نے اپنی کاروں کے نمبر پلٹ اردو میں لکھوائے لیکن ٹریڈک کے سپاہیوں نے عرض کیا کہ یہ ہم سے نہیں پڑے جاتے۔ بلکہ ایک صاحب کا نوٹ لکھنا چاہیو پرچالان بھی ہو گیا کہ یہ وہ حروف تہجی نہیں جو ٹریڈک پولیس نے جاری کئے تھے۔ اردو کی خاطر چالان کو اسے کا حوصلہ کتنے لوگ رکھتے ہیں۔ چنانچہ بات آگے نہ بڑھ سکی۔

بہر حال چند روزہ احتیاط کی بات ہے۔ کراچی میں برقیہ تکتے دن سہے گا۔ رہنڈ پر بھی ہونی ٹریڈک، ہارس کے ایک ہی چینیٹے سے دھل جائے گی اور صاف ستھری انگریزی باہر آجائے گی۔ اب بھی انگریزی اور اردو کے درمیان کا خد کے ایک باریک پردے کے سوا اور کیا ہے۔ رہنڈ جو لوگ کراچی سے باہر نکل کر حیدر آباد یا مضائقہ میں جاتے ہیں۔ انہیں انگریزی کے اوپر اردو اور اردو کے اوپر سندھی کی نمبر پلٹ لکھوائی جا رہی ہے کیونکہ معلوم نہیں کس سندھی بولنے والے کی غیرت کو جوش آجائے اور آپ اردو کے پتھر سے بچتے بچتے سندھی کے پتھر کی زد میں آجائیں۔

## شکار کی افسر، شکار نہیں کئے جاسکتے

بقریہ میں لوگ بکروں اور دنبوں کو دتے رہے کہ بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ لیکن نواب شاہ کے پیپلز پارٹی کے لیڈر قاضی محو کش نے خبر دی ہے کہ یہاں محض ایک تیر کی قیمت دوسرے پڑتی ہے۔ دراصل انہوں نے اس طرح حساب کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہر سرکاری افسر اپنا دوسرا دیہات میں لکھتا ہے اس میں بہانے کے تمام وقت شکار میں گزارتا ہے۔ ٹی لے اور ڈی آفک وصول کرتا ہے اس طرح اس کے شکار پر سرکاری خزانے کے لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس میں کو شکار سے باز رکھا جائے۔

قاضی صاحب انہوں کو جو چاہیں کہیں، لیکن تیز اور میٹر کا شکار شوق کی بات ہوتی ہے اور شوق کی کوئی قیمت نہیں، اختیار، پانا میں دو روپے کو بھی مہنگا ہے اور شکار گاہ میں دوسروں کے یہ بھی سستا۔ شوق کی قیمت کس نے بتیہ کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دیہاتیوں سے تقریب ملاقات کے لئے شکار کا مشغول رہنا نہیں۔ اسی بہانے کے کچھ اُن کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ ورنہ اس میں سفر خرچ کلمے کے لئے گاؤں گاؤں گوم کر وصول پھانکنے سے تو رہے۔ قاضی صاحب اگر نہیں چاہتے کہ اس دیہات کا شکار بن جائے تو یہی ہے۔ پور وکیسی، اس ملک کی غالباً سب سے بڑی پارٹی ہے، ہر مرتبہ رائے والی پارٹیاں اس سے پیش پھر بات ہے۔

نہیں؟ انہوں نے معذرت کی اور پوچھا، ٹریڈک کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟ اردو کے اس جواب کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے، بہت سہانے۔ انہوں نے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور کارسٹارٹ کر کے ٹریڈک سے لگے روانہ ہوئے، لیکن دوسرے نوٹ پر لوگوں کی جو ٹولی کھڑی تھی اس کے پاس علمی مباحث کے لئے بائیکل وقت نہیں تھا، اس لئے انہوں نے دو کار کو روکنے کا سنا نہ کیا اور نہ سوالیہ جواب کا موقع آنے دیا۔ ٹریڈک کے سلیس اردو ترجمے سے بھی بال بال بچ گئے، اور پھر اٹھا کے ہنس بیٹھے پتھر سے رسید کیا۔ اب انہیں شے کی قیمت کے علاوہ ٹریڈک کا جو بھی خود ہی ہتیا کرنا ہوگا۔ نوی زندگی میں ایسے مراحل بہت آتے ہیں۔ جہاں جہد آزما تھ کا ایک پتھر معلوم کئے دئے دفتر پر شکاری جڑا ہے۔

لاکھ حکیم مرزا، عجیب، ایک حکیم ہر کھٹ ہمیں یاد رہے کہ چند سال پہلے لاہور میں اردو کے سائن بورڈ انٹر ٹریڈک لکھوائے گا کہ انٹر ٹریڈک اللہ نے شروع کیا تھا۔ دراصل ان دنوں ادیب میں جو دو کار پڑا ہے تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے سوچا جو لوگ لاہور کا ادیب، فی الحال اس کے کچھ زیادہ کھنے کا اہل بھی نہیں۔ چنانچہ پہلے تو وہ دیہوں اور شاہوں کے خاموش جوتوں نکالتے رہے اور یہی اچھا ہی تھا، ورنہ اس جوتوں میں ایسے ادیب اور شعرا۔ دیکھ گئے جو فٹ پا تھ پر کھڑے کھڑے پڑنا ناول لکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ اگر ایک بار مصرع عرض ہے کہ دوتے تو پھر کوئی مائی کا مال اُن کا منہ نہیں بند کر سکتا تھا۔ بہر حال ڈاکٹر عبداللہ سیال دال ادیب ہیں ان کی قدر اندیشی نے کام کیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے فٹ پا تھ پر وہ خاموش جوتوں دیکھے، وہ بھی سناٹے میں رہ گئے کہ زبان دال اور تھے خاموش۔ ضرور اردو پر کوئی بہت ہی مزاد تھ پڑا ہو گا۔

ڈاکٹر صاحب نے کاغذ میں کوئی عدد کا قائل کر دیا۔ بہت سے کمیٹ انڈر ڈسٹ، ایک کثرت زائد بیگز، اپوٹر نادر ایکسپو رٹرز سے سائن بورڈ پر انگریزی کے پہلو میں اردو کو جگہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن مہلے میں بیچ انہوں نے بھی بہت ڈلے، اور ڈاکٹر صاحب کو تیر کے کج بحث میں آنجھانا چاہا۔ بعض ترجمے جو اس لئے ہتیا ہو سکتے تھے، ڈاکٹر صاحب نے دو بجو دیئے، بلکہ سناٹا تھا کہ انہیں اردو کے خرچ پر بورڈ لکھوائی دیئے۔ البتہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا اور پھر تباہی تو کیا نہ تبا۔

اصناف ادب میں ایک تازہ اضافے کی خبر ملی ہے۔ ناول، انشا، نظم، غزل، داستان، دہائی، اگر آپ دیکھیں تو سمجھتے رہے۔ لیکن ٹریڈک دیکھ میں بات ہی اور ہے۔ جو لوگ کار کرتے ہیں، اُن کے لئے اردو میں ٹریڈک دیکھ یا لکھوائے بغیر چاہہ نہیں۔ جی دال لکھوانا، بھی ایک تھکاتی چیز ہے۔

ایک ناول نگار غافلون کے لئے سنا ہے کہ گوشت دلوں گھر سے کار میں نکلیں، ٹریڈک انگریزی میں دیکھ کر کسی اردو کے پتھر اٹھایا اور شے پر کھینچ مارا۔ ڈاکٹر کو اس کے ٹوکے اڑ گئے۔ بیٹھے بھٹکے تین چار سو روپوں کی چوٹ پڑ گئی۔ زندگی بھر اس نے لکھے ناول لکھے، انشا نے بھی بہت لکھے، لیکن اردو میں ٹریڈک اگر نہیں لکھا تو کچھ نہیں لکھا۔

ایک تو سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اردو سے اپنی محنت اور شفقت کا مظاہرہ آخر ہم کہاں کریں۔ ذلیلہ تعلیم، اگر تعلیم کہیں ہو گئی ہے تو وہ انگریزی ہے۔ ڈگریاں انگریزی میں ملتی ہیں۔ انڈیا اور طرانت سے انکار انگریزی میں ہوتا ہے۔ سرکاری محکموں میں ساری لکھا پڑی انگریزی میں ہی کیپٹوں کی معاملات کسٹ چنگی، امپورٹ ایکسپورٹ سب انگریزی میں پریس کا ٹریڈک انگریزی میں سوالیہ جواب انگریزی میں کہیں کہیں تار ادیشی اردو کے فارم ضرور اردو میں چھپے ہیں، لیکن صحیح پڑھے نہیں جاتے اور جواب معنوں اردو میں لکھنے کی شق سب کو نہیں پڑا۔ اردو فقرے انگریزی میں چٹ پٹ لکھ کر فارغ ہو گئے۔ حذو یہ ہے کہ ان دنوں ایک جماعت کمالوں کے ساتھ ساتھ اردو کی حمایت میں دستخط جمع کر رہی ہے کہ کمال اپنے لئے اردو دستخط اردو کے لئے اسوہ بھی انگریزی میں پلے کر رہے ہیں۔ جہاں زندگی میں انگریزی کے عمل فعل کی یہ کیفیت ہو، دلوں پیچا پڑا لکھا پڑھا اور اردو سے اپنی شفقت برتنے کے لئے آخر کس دیوار سے سر پہٹے۔ بس بہت انگریزی ہو چکی اور کچھ نہ سہی، لیکن ٹریڈک نواب اردو میں ہی لکھا پڑے گا۔

بیچارے ایک ساتھ دلوں مسلمان نے کہا تھا کہ وہ وہ میں نہیں لکھتا، مزاد یہ میں نہیں پڑھتا، سحر کے وقت میری آنکھ نہیں کھلتی۔ اب کیا انتظار کریں دکھاؤں اور بائیکل ہی کافر ہر ماؤں۔ اردو کے بارے میں ہمارا اپنا یہی کہنا ہے کہ اب کیا بائیکل ہی انگریزی ہو جائیں۔

ایک صاحب اپنی کار میں کہیں سے آ رہے تھے کہ چند لوگوں نے روک لیا۔ سوال ہوا، یہ ٹریڈک اردو میں کیوں



# بیکن نے ایک بار کہا تھا

کچھ کتابیں چکھنے کے لئے ہوتی ہیں، کچھ نگلنے کے لئے اور معدودے چند  
چبا کر کھانے اور مصمم کرنے کے لئے۔!

البتہ ہم نہایت ادب سے اس میں صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ

اگر یہ روسی کتابیں ہیں تو آپ یقیناً ان میں سے ہر ایک کتاب کو جلدی جلدی نوالہ بنا لینا چاہیں گے۔

روسی کتابوں کی نمائش میں تشریف لائیے جو ۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء سے ۲۱ فروری ۱۹۶۱ء  
تک جاری رہے گی۔

اسے نادرموقع سے فائدہ اٹھائیے۔

روسی کتابوں کی اس نمائش میں سائنس، میڈیسن، فلسفہ، معاشیات اور آرٹ کی کتابیں  
ناول اور ٹیکنیکل کتابیں، بچوں، بڑوں، عورتوں اور مردوں کے لئے سندھی، بنگالی، اردو، انگریزی  
فارسی اور گجراتی میں دستیاب ہیں۔

اسٹینڈرڈ پبلشرز لمیٹڈ، میرینا ہوٹل کمپاؤنڈ  
مقابل ریوسینما، بونس روڈ، صدر، کراچی ۴

ٹیلیفون نمبر ۵۱۱۲۲۱



عولانا غلام رسول مہر

میرزا غالب کے انیسویں دوستی کے بھی دو پہلو ہیں۔ اول وہ انسانیت کو اسے کائنات کے تخلیق کار کو کہ سب سے زیادہ دیتے ہیں۔ دوم وہ انسان کے بطور انسان کے محبت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں رنگ، نسل، پیشہ یا دوسرے کوئی نفاذات اس محبت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجل  
لی ایک ناداری عزل کا شعر ہے۔  
نہ فریشت عالم غرق جز آدم نیست  
بر گرد نقطہ دادر سوخت مرا راست

یعنی کائنات کے پیدا کرنے کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انسان وجود میں آئے۔ انسان ہی کی خاطر یہ وسیع و عظیم کار کا مدھم مدھم وجود میں آئی، جو علم کی روشنی زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ پھیل پھیل کر جبکہ اسی ہو جاتی ہے، ہر پرکار کوئی نہ کوئی نقطہ متعین کر کے گھمائی جاتی ہے۔ رست سیرا دل کی پرکار جس نقطہ پر گھوم رہی ہے۔ وہ آدم ہے۔ وہ انسان ہے۔

ہمارے ہاں ایک روایت مشہور ہے۔ ہر لوگ لیا غفلت الافلاک، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک مقصود وہ نہ ہوتا تو افلاک بھی پیدا نہ کئے جاتے میرے علم کی حد تک یہ حدیث تو تین، لیکن قول ہر اعتبار سے درست ہے کیونکہ انسان کائنات کا مرکز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کا مرکز و مرجع ہیں، لہذا یہاں جو کچھ ہے۔ وہ اسی ذات بابرکات کے فضل ہے۔

چارہ در سنگ و گیہ و در نیچ با حب انداز بود  
پیش از انان کاس نور سد آن را میا کرده ای  
جایان اور و امتیاجات جاندار کے ساتھ تھیں  
ملج و روا و امتیاجات و دنیا بات پر موقوف تھا کہ  
کرمی یا مخلوق فراموشی کے جاندار کے دیو سے بیشتر معنی  
کے لئے اندازہ ذکر سے برطرف پھلائے گئے۔

عزیز میرزا کا بذریعہ نصیب العین انسانیت ہی تھا جس کے  
اعلیٰ اوصاف و خاصیت ان کے کام میں کامیاب تھی ہے  
خدا عز و جل مائے کرم جس شاعر نے انسان کے لئے یہ بلند نقطہ نگاہ  
عقیدہ رکھا، کیا اس کے لئے تسلیم کرنے میں کوئی تامل ہونا چاہیے

غالب کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں پنجاب

یونیزٹھانے یونینچ کے تعاون سے ۲۸ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک لاہور میں بین الاقوامی مذاکرہ غالب ترتیب دیا تھا جس میں شرکت کے لئے انگلستان، ایران، افغانستان، اوترکی کے غالب شناس آئے تھے۔ غالب کی ذہانت فردوسی ۱۸۶۹ء میں برقی تھی اور ۱۹۶۹ء میں امام علی دینا میں ان کا جشن صد سالہ منایا گیا۔ لاہور میں بین الاقوامی مذاکرہ غالب جشن صد سالہ کی تقریبات کی آخری کوئی تھی جو ۱۹۶۹ء کے بعد ۱۹۷۰ء میں منعقد ہوئی۔ ۱۹۶۹ء میں غالب کے جشن صد سالہ کے موقع پر پاکستان کے علاوہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں غالب کی زندگی اور شاعری پر مذاکرے اور جلسے کئے گئے۔ انگریزی میں غزلیات کا ترجمہ کیا گیا۔ شکاگو یونیورسٹی میں غالب پر لیکچر دیئے گئے پاکستان کے پروفیسر حمید احمد خاں، اور ہندوستان سے پروفیسر محمد مجیب اور پروفیسر آل احمد سرور مدعو کئے گئے لندن یونیورسٹی کے لائف رسل اور خورشید الاسلام کے کام کا ایک حصہ غالب، زندگی اور خطوط "مکمل ہو کر سامنے آیا۔ چیکو سلوواکیہ میں یان اربیک اور بیش سوندا نے غالب پر تحقیقی کام کیا۔ روس میں چھلن برکی اور جھانڈو امدان کے ساتھیوں نے غالب کا ترجمہ کیا۔ اور مضامین لکھے۔ اٹلی میں بوسانی نے پروفیسر جملی کے تعاون سے غالب کو روشناس کرایا، ہندوستان میں ڈاکٹر رحمت کی آہنگ غالب، پرتھوی چندر کی جاگیر غالب۔ ایس اے۔ آئی احمدی کا فارسی میں غالب کے خطوط، ابراہیم خاں عوشی کا دلیوان غالب، خورشیدی زادہ، پروفیسر مجیب کی تصنیف، مالک رام کی عیار غالب اور سگی رضا عباس طرہیز نابل ذکر ہیں۔ پاکستان میں بھی اسی موقع پر غالب کی تمام اردو ادوار کی تصنیفات کا اہتمام سے شائع کیا گیا۔ غالب نمبر شائع کئے گئے اور غالب کی زندگی اور شاعری پر مشارکات میں شائع کی گئیں۔

کہ اس نے دنیا بھر کے انسانوں کی ترجمانی لاحق ادا کر دیا ہے۔ نیز



گزارش و بلکہ حسنی خدمت گزار کی کے مقصد سے وہ ان تمام خطوں اور ملکوں کا شاعر تھا۔ جس میں اس کے ہم جنس آباد ہیں۔ اسی طرح اس کی شاعری کسی خاص وقت اور خاص زمانے کے لئے نہ تھی بلکہ وہ ہر دور اور ہر عہد کا شاعر تھا۔

سوال یہ نہیں کہ جو کچھ کہا گیا وہ کس زبان میں تھا؟ کہنے والا کوئی تھا؟ اور کس دور میں اس نے کہا؟ سوال یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا اگر وہ کسی خاص خطے اور خاص دور کے لئے نہ تھا تو اس کی شہر گوئی کو کیوں آفاقی مانا جائے؟

خاصہ سنائی فرماتے ہیں  
سخن کو رو سے دیں کوئی تیر خیرانی پر مریانی  
مکان کو بہر حق جوئی، چہ جا بلقا، چہ جا بلسا  
یہ اس حقیقت کی ترجمانی تھی جس کی گزارش میں نے کی۔  
اقبال بھی کہتے ہیں

مذہبوں کوئی غزل کی، نہ زبان سے باخبر ہیں  
کوئی دکشا صدا ہو، عجیبی ہو یا کہ تازی  
پھر فرمایا:-

ترکی بھی شیریں، تازی بھی شیریں  
حرفی محبت نہ ترکی نہ تازی

میرزا غالب نے اشرف و برتر انسانیت کے جو اوصاف و خصائص بتائے، ان میں سے محبت پسند کا ذکر یہاں اجمالاً پیش کروں گا:-

ان میں سے میرے نزدیک سب سے بڑھ کر خصوصیت اس وقت کو حاصل ہے جسے ہم عوامی غرضی اور غلوں سے تعبیر کرتے ہیں یعنی انسان اپنے ہم جنسوں کی خدمت انجام دینے میں کاملاً بے غرض ہو اور کسی شخصیت کے لئے کوئی اجرت، کوئی مزدوری اور کوئی بدلہ طلب نہ کرے بلکہ اعزاز بھی نہ چاہے نہ سیرھے نہ جو کچھ اسے کرنا ہے اس عزم اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ زندگی میں اس کا وظیفہ یہی ہے۔

میرزا فرماتے ہیں:-

شعور یکدم گمراہ، بکلی شگفتہ مزد کو؟  
شع شش با شمع، باد سحر گاہیم

میں شش با شمع ہوں جو رات بھر جلتی ہے تاکہ اندھیل نہ سبے اجالا ہے۔ رات بھر اس سے شعلے جھڑکتے رہتے ہیں اور اس کے سوز و گداز میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ایسی جہر ہے کہ کبھی کسی عکس و نقار کی آرزو نہیں کی۔ پھر میں صبح کی ہلکی ہوا پہلے جو چلتی ہے تو کھلیاں کھل کھل کر بھولتی جاتی ہیں۔ اس خدمت کے لئے بھی میں نے کبھی کوئی اجرت طلب نہیں کی۔ اشرف و برتر انسان کو اپنے ہم جنسوں کی خدمت ہی طرح انجام دینی چاہیے جس طرح شمع رات کے وقت شش با شمع میں اور باد سحر کے وقت باد سحر میں انجام دیتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی دعوتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب اپنی قوم کو دعوت حق دیتے تھے تو یہ بھی فرماتے تھے کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ ہمارا حق اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہی شیوہ میرزا غالب کے نزدیک اشرف و برتر انسان کے لئے خدمت انسانیت کے سلسلے میں ذرا ہے۔

میرزا غالب اس امر کے بھی روادار نہیں کہ بہشت کو اس کی نعمتوں کی خاطر طلب کیا جائے۔ فرماتے ہیں:-

طاعت میں تار ہے نہ سئے و ناگہیں کی لاگ  
دوزخ میں ڈال دو کوئی نے کہ بہشت کو  
میرزا تو جال پروانے بچھ کر پرندوں کی گرفتاری کو بھی نازیبا سمجھتے ہیں، کیونکہ جو پرفے دافوں کی خاطر جال پر گرتے ہیں وہ دراصل تن پر رہتے ہیں، ان میں ذوق گرفتاری کیونکہ دوزخ پاسکتا ہے:-

تایفتد بہر کہ تن پرور بود  
خوش بود گرد اند وجود دام دا  
در دام بہر داند نیغمتم، مگر قعش  
چند اداں کئی بند کرتا اشتیاق رسد

میں دانے کی خاطر جال پر نہیں گر سکتا۔ مجھے کرنا کرنے کا شوق ہے تو قعش کو آنا بلند کر دو کہ میرے گونے کے برابر پہنچ جائے اور میں محض گرفتاری کے شوق میں گونے سے قعش میں بہت چھاؤں اقبال نے بھی یہی فرمایا ہے

جس کا عمل ہے بے غرض اس کا مقام اور ہے  
حور و خیام سے گذر، یادہ و حیانم سے گذر  
انسانیت عالیہ کے خصائص میں ذاتی اغراض سے پاک ہونے کے علاوہ ایک اہم خصوصیت غیرت و خود داری کی بھی ہے۔ میرزا فرماتے ہیں:-

تشراب بر ساعلی دیا ز غیرت جال و دم  
گر بہ موج اند گمان چیں پیشانی را!

غرض کیجئے کہ پیاس کے مارے میری جان اتوں پر لگنی ہو  
اور دنیا سائے مجا ہے جس سے تنہا پانی کے کہ پیاس کی آگ بجھا سکتا ہوں، تاہم دنیا کی سطح پر بھی مٹی لہریں دیکھ کر میرے دل میں گمان گذرے کہ یہ لہریں نہیں۔ جو دنیا کی طبعی خصوصیت ہیں بلکہ اسکی پیشانی پر شش کینیں ڈر گئی ہیں کیونکہ شخص کہیں میرے پانی سے پیاس بجھلنے چلا آیا، تو میری غیرت خود داری پیاس سے مرغا بنا کر اڑ کر گئے کہ مجھ دیا کے پانی کا ایک قطرہ بھی بھولنے لے جائے اور کم کچھ لگے۔ اسی غیرت و خود داری کی دعوت میرزا کے دوسرے اشعار میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً

بندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں میں کہ ہم  
لئے پھر آئے دیکھو اگر داند نہ ہو!  
دیوار بار منتظر مزدور سے ہے خم!

اے خانان خراب نہ احسان اٹھائیے  
اشرف انسان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہمت و مردانگی کا جو ہر اعلیٰ پایے پر موجود جو میرزا فرماتے ہیں۔

مردانہ جو ہر ختم تمست شود ہلاک  
از ارتکاب نشہ کہ بہ دریا شود ہلاک  
نامر و نابہ نخلو آست نقش مشام  
مرد از لقب مسموم چہرہ شود ہلاک

دیکھئے جن سر نعلینک چو نیل کو آسماں جھک کر جوتا ہے،  
وہ مردانگی ہی کی بدولت سر نہیں۔ امتیادہ سمندر کے سینے  
پیر کر جہاڑوں کے راستے پیدا کرنا یا نڈل ہی کا کام تھا۔ پھر  
جہاڑوں اور جہانمروں ہی نے قطبین کے برقرار تانوں کی چھان  
میں میں جانیں لڑائیں۔ ہمت مندوں ہی نے تہی زمینیں دیانت  
کیں۔ اب ستاروں پر کنہیں ڈالی جا رہی ہیں۔ انسان اس طرح  
غلامیں تیرتے پھرتے ہیں جیسے تبدیل کی سطح پر بندے تیرتے  
نظر آتے ہیں۔ غرض مردانگی ہی پر علم و فن کی ہر پیش رفت اور  
ترقی کا انحصار ہے۔ اور یہی تسخیر کائنات کے لئے سبقت و اقدام  
کی روح رہا ہے۔

مردانگی کے ساتھ محنت طلبی اور جفا کشی بھی لازم ہے کیونکہ  
حقیقی انسان کا سب سے بڑا وظیفہ ہم جنسوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت  
ہے۔ یہ وظیفہ ادا نہیں ہو سکتا جب تک انسان اپنے آپ کو  
سستی، اشرت اور جفا کشی کا علوی نہ بنائے۔ میرزا کہتے ہیں:-

چہ ذوق رہی آں را کہ خار غارے نیست  
مرد و کعب اگر راہ ایمنی دار د!

جس سفر میں تکلیف، پریشانی اور آفتا کوئی اندیشہ  
ہو، اس میں لطف ہی کیلئے؟ تعذبات کے نقطہ نگاہ سے  
یہ بھی واضح ہے کہ انسان اس کام میں قطعی مشغول اور مصیبتیں  
اٹھائے گا تکمیل کا پامائے آتی ہی زیادہ سست و شادمانی ہوگی۔  
دیکھئے اردو کے ایک شعر میں میرزا اپنی مشقت طلبی اور مشکل  
پندی کا اظہار کس دلوراجیز ذوق و شوق سے کرتے ہیں۔

ان ابولوں سے بادل کے گھبر لگیں ستاریں  
بھی خوش ہوتا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

پاؤں میں چھالے پڑ جائیں تو نلوں میں مہندی لگا کر پائے  
بستر ہو جاتے ہیں، لیکن میرزا کے نزدیک مدح و ستائش  
قطعاً شاہان انصاف نہیں۔ وہ راستہ کاٹوں سے بھر پورا  
پاتے ہیں تو ان کا دل سست سے بھر پور ہوتا ہے۔ انہیں جہاڑوں  
کا علاج کاٹوں ہی سے کرنا پسند ہے۔ خدمت گزاران انسانیت  
جب تک تکلیف و اذیت برداشت کر لینے کے عاقل نہ ہو جائیں  
تو خدمت کی لہ کے وظائف کیوں کر پورے کر سکیں گے؟  
پھر میرزا کے نزدیک کاٹوں پر چلنا بجانے خود ایک نیکی  
ہے، اس طرح کاٹوں کی سرکشی ہوتی زبانوں کے لئے تری اور



میں کا انتظام ہوگا۔

مکانوں کی زبانیں سوکھ گئی ہیں سے یارب  
ایک آبلہ پا دادی پڑھیں آؤ سے  
میرزا کے نزدیک تو سرزمین حیا میں کسی دریا کا نہ ہونا  
بھول تدرت کی ایک خاص صفت ہے۔ مقتور ہے کہ جو لوگ  
حرم محترم کی نیابت کا عزم لے کر آئے ہیں معلوم ہو سکے کہ  
تشددی برداشت کر لینے کے اعتبار سے ان کے دوق و شوق کا مدد  
کیا ہے۔

عیار کعبہ رواں تازہ تشنگی گیرند  
نہ دادہ اند دریاں دشت راہ دیدار  
محنت طلبی اور جفا کشی کے شعر بھی بہت ہیں، مثلاً  
قطرہ قطرہ اک سیولیاں تے نامور کا  
خول بھی دقیقہ درو سے فارغ نہ رہیں نہیں  
زخم سلولے میں مجھ پر چارہ جونی کا ہے طعن  
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں  
یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان رنج کی حالت ڈال لے گا تو رفتہ  
رفتہ احساس رنج خود خود گندہ ہو جائے گا!  
رنج سے جو کر ہوا انسان تو میرٹ جاندا ہے رنج  
مشکلیں بچہ پر نہیں اتنی آسائیں پرگتیں  
مجھے اس بحث کو طویل نہیں دینا چاہیے۔ چند اور خصوصیتوں کی  
ایک ایک مثال سن لیجئے۔

قول اور فعل میں ہم آہنگی۔  
بانو و گفتار نشان اہل معنی باز گو  
گفتار گفتار سے کہ پاکار پیوندش بود  
میر و نباتات۔  
دو زند اگر فرض دیں رابہ آسمان  
حاشا کہ زین فشار بر او رستم انگنم  
دعوت عزیمت

انسان کو ہمیشہ اور لغزی کے کام لینا چاہیے۔ اگر اس سے  
میں دار درمن کی منزل بھی پیش آجائے تو قدم کیجئے نہ ہٹانا  
چاہیے۔ میرزا فرماتے ہیں۔  
آخر کار نہ پیدا است کہ دوزخ فزود  
کھٹھو نے کہ بڑا زہریت دالے ندوی  
یعنی یہ یہ حقیقت دوزخ و شکن کی طرح آشکارا نہیں  
کہ خون حیات کے جس چوک تو تاج سولی کی تربیت بنانے کے لئے  
تیار نہیں، وہ ہر حال کسی نہ کسی وقت تیرے بدن میں افسردہ  
ہو کر رہ جائے گا۔ کیونکہ موت مل نہیں سکتی، اور اس میں دلائل  
خون ختم ہو جاتا ہے۔

میرزا کی نگاہوں میں غم کو خاص قدر و قیمت حاصل تھی۔  
خواہ آپ اسے غم عشق قرار دے لیں یا غم انسانیت۔ غم کی جو

کینیت انہوں نے مختلف مقامات پر بیان کی ہے اس سے  
بظاہر غم انسانیت ہی مراد ہے۔ وہ ایک غزل کے مطلع میں  
کہتے ہیں۔

غم جو ہمہ در انگند رو کہ مراد سے دید  
را نہ ذخیرہ کے گند کاہ برباد سے دید  
فصل کاٹتے ہیں تو دھیریں ملی ملی ہوتی ہیں۔ ایک  
غلہ دوسرا بھوسا۔ غلہ انسان کھاتے ہیں، بھوسہ جانوروں کو  
کھلایا جاتا ہے۔ میرزا فرماتے ہیں کہ غم ایسی چیز ہے جو انسان  
کی تمام خامیاں اس طرح الگ کر دیتا ہے جس طرح بھوسا  
قلے سے الگ ہوتا ہے۔ اور انسان میں جو خامیاں ہیں  
وہ محفوظ ہو جاتی ہیں۔

یہی غم ہے جس کے متعلق میرزا نے کہا تھا۔  
میرزا شہرت میں غم گرا سکتا  
دل میں یارب کسی دینے ہوتے  
میرزا کو ان لوگوں کے دل بستگی نہیں ہو سکتی جو اپنی  
آسودگی پر غور نہیں، یعنی کسی کے لئے ان کے دل میں کوئی  
درومندی اور کوئی تڑپ نہ ہو۔ فرماتے ہیں۔  
حذر از زہر برینہ آسودگی غالب  
چر نہتا کہ بہ دل نیست جان ناشکیبارا  
لے غالب آسودہ دلوں سے دور رہ۔ ان کے سینے  
زہر سے لبریز ہیں۔ جس کی فضا میں پہنچتے ہی ہر شے ٹھنڈی رنج  
ہو جاتی ہے۔ میرزا دل دوستی خالی نہیں۔ اور تجھے کیا بتاؤں کہ  
میری بے قرار جان کے کتنے احسان میرے دل پر ہیں۔

اب تک میں نے جو کچھ عرض کیا ہے میرزا کی انسان دوستی  
ہماری کرشمہ فرمائیاں تھیں۔ اب انسان دوستی کی کچھ علی مثالیں  
بھی غور فرمائیے یا ایسی مثالیں جو آرزوؤں اور تمناؤں کے  
دشت ناپید کن ہیں صرف درد و سیر رہتی تھیں۔  
خواجہ حالی فرماتے ہیں:

اگر چہ میرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر جو صلہ فراغ تھا،  
سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا۔ ان کے  
مکان کے آگے ننگرے لوے اور اپنا ج مرد و عورت ہر وقت  
پڑے رہتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو  
روپے ماہوار ہوتی تھی اور کھانے پینے کا خرچہ بھی کچھ سب  
چوڑا نہ تھا۔ مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی بابت سے  
زیادہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر تنگ ہتے تھے۔

خواجہ حالی ایک چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں،  
"لذات لیفتنٹ گورنر کے دربار میں ان کو حسب معمول  
سات پارچے کا خلعت مع تین رقوم جو اہر کے مطابق پیش  
کے چلے اور بعد ار قاعدے کے مطابق انعام لینے کو آئے۔  
میرزا کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا۔ اس لئے انہوں

نے دربار سے آتے ہی خلعت اور رقوم جواہر بانار میں فروخت  
کرنے کے لئے بیچ دی تھیں۔ چیر کیوں کو الگ مکان میں بٹھا  
دیا، اور جب بانار سے خلعت کی قیمت آئی، تب ان کو انعام  
دے کر رخصت کیا۔"

خواجہ حالی ہی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دلی کے عابدین  
سے میرزا کے ایک دلی دوست بلے کے لئے آئے، جن کے  
حالات غم میں سقیم ہو گئی تھی۔ اور وہ چھینٹ کا فرغل پہنے  
ہوئے تھے۔ میرزا نے کبھی انہیں مالیدے یا جامہ عوار کا ٹخنہ  
پہنے بغیر نہیں دیکھا تھا۔ ان کے بدن پر چھینٹ کا فرغل دیکھ کر  
دل بھرا۔ ان سے پوچھا کہ یہ چھینٹ آپ نے کہاں سے لی؟  
مجھے اس کی وضع بہت ہی عجیب معلوم ہوئی۔ آپ مجھے بھی فرغل کے  
لئے یہ چھینٹ منگوادیں۔ انہوں نے کہا: "یہ فرغل آج ہی ان کو  
آیا ہے اور میں نے اسی وقت پہنایا ہے۔ اگر آپ کو پسند ہے تو  
بھی حاضر رہے۔ میرزا نے کہا تو بھلی چاہتا ہے کہ اس وقت آپ  
سے چین کو پہن لوں، مگر جازا شدت سے بڑھ رہا ہے، آپ  
میں سے مکان تک کیا پہن کر جائیں گے؟ پھر ادھر ادھر  
دیکھ کر کھونٹے سے اپنا مالیدے کا ٹخنہ لے کر انہیں پسنادیا  
اور اس کو لبو دلی کے ساتھ وہ ٹخنہ ان کی نذر کیا۔"

یہ دوست مثنوی صدر الدین آرزوہ مرحوم و مشہور تھے۔  
جن کی مدح میں میرزا کا ایک فارسی قصیدہ بھی موجود ہے۔  
اس میں فرماتے ہیں:

صدر دین و دولت و صدر الصدور و روزگار  
میر و مخدوم و مطاع و والی و مولائے من  
خاک کشتن خود نہ اندازہ در حجب سجود  
سجدہ از ہر جرم نگذاشت در سبائے من  
مشرقی با من بہ پور سن کاہی بمنتی ہم نشین  
گزارش از نظر قرطاس استغنائے من  
۱۸۵۷ء کے ہنگامہ عظیم کے بعد میرزا کی آمدنی کے تمام

دروازے بند ہو گئے تھے اور وہ اپنے کپڑے بچہ کر گزارہ  
کر رہے تھے۔ لیکن اس دور میں ان کے ہاں کھانا کھانے والے کو  
بیس افراد تھے۔ ان میں سے زیادہ تر ملازمین تھے۔ بہمنہ و بھی  
اور مسلمان بھی۔ ان میں ایک میاں محمد بھی تھے جو ہنگامے سے بہتر  
ملازمت چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن جب گدارا نہ ہو سکا تو بال بچوں  
سمیت آگئے اور میرزا نے انہیں قبول کر لیا۔

واجد علی شاہ کے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:  
گمراہے ترک نماز ادم زود و دہ سلووق  
فراخ تا نہ ہم خواں نے خرم ناں سا  
دہائی مفر ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیں

اس شعر میں استفادہ کو اکثر لوگ چھلپے کی غلطی کی  
نادر بشر عربی معنی ہو گیا۔



# انقلابی طریق جنگ کیا ہے؟

نامور انقلابی مصنف ڈاکٹر اقبال احمد جنہیں یہ حال معلوم ہے  
امریکہ میں ایک سازش کے تحت گرفتار کیا گیا ہے، اس  
مضمون میں الجزائر کے تحریک آزادی کے حوالے سے  
انقلابی جنگ کے حکمت عملی بیان کرتے ہیں۔

اس مرحلے تک پہنچ جاتی ہے جہاں ان لوگوں کے ساتھ تصادم  
لازمی ہو جاتا ہے جن کے مفادات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ان  
جہوں کے توں بفرار رکھے جائیں۔ ان ملک اور نوآبادیات میں  
جہاں کے حکمران اپنے اقتدار اور مفادات کی اجاں داری سے  
دستبردار ہونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جہاں واقعی اصلاحات  
نافذ ہوتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی انقلابات اور فرائض میں  
شرکت باہمی کے لئے ادارے قائم ہونے لگتے ہیں ان میں تہذیبی  
کا عمل نظم و ضبط کے ساتھ جمہوری انداز میں دیکھا جاتا ہے۔  
اگرچہ تمام تر مرام نہیں ہوتا، لیکن جب کوئی حکمران طبقہ،  
اصلاحات کو روکنے کی سعی کرتا ہے۔ اس کے معنی لامحالہ  
یہی ہوتے ہیں کہ اس کے اقتدار اور مفادات میں کمی ہو جائے  
گی۔ تو فنی سیاسی طاقتوں کے ساتھ اس کے تصادم میں رفتہ  
رفتہ تشدد اور خونریزی کا عنصر شامل ہوتا جاتا ہے۔

جو رنگ آہیں، اس کے لئے سالہا سال تک درود و کرب و  
کرنے کا صلہ اور چپ چاپ خفیہ کارروائی کرنے اور  
پورے جوش اور جذبے سے ابھرنے کا پختہ ارادہ موجود  
ہونا چاہئے۔

## دشمن کی اخلاقی شکست

اگر کوئی قوم یہ محسوس کرنے لگے کہ اخلاقی طور پر  
اپنے حاکموں سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے تو وہ  
انقلاب کارروائی کے لئے پختہ ارادے کے ساتھ اٹھ سکتی  
ہے۔ انقلابی جنگ کا کامیابی کے لئے شرط یہ ہے کہ دشمن کو اخلاقی  
طور پر شکست کرا کر انکے کارنے کا عمل مسلسل جاری رہے اور اس  
کے نتائج شدت اختیار کرتے جائیں، جب یہ عمل تکمیل کو  
پہنچ جاتا ہے تو جنگ جیت لی جاتی ہے، کیونکہ قوم اس وقت  
تک لڑنے کا جذبہ رکھتی ہوتی ہے جب تک اس کا ایک فرد بھی  
زندہ ہے۔

اس کے بعد الجزائر کے دوسرے رہنماؤں نے بھی  
مجھے یہ بتایا کہ میں فرانسیسی فوجوں سے زیادہ فرانس کے  
دعوتوں کا ٹوڑ کر انکے لئے جدوجہد کرنی پڑی جو  
برابر یہ کہہ رہے تھے کہ ہم بالآخر آزادی دے دیں گے۔  
اور اصلاحات نافذ کر دیں گے۔ بعد میں فرانسیسی نے جب اپنی  
فوجی کارروائی تیز نہیں تو انکے عوام رفتہ رفتہ اس سے  
کٹ کر الگ ہوتے گئے۔ کیونکہ انقلابی جنگ میں فوجی کارروائی  
کے معنی ہوتے ہیں۔ شہری آبادی کا وسیع پیمانے پر قتل عام  
اگر کچھ نہیں تو محض اس بارے کہ کس نوزاد و گریباں کے زبانی  
کوئی اختیار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ قومی عمارت آزادی کے  
رہنماؤں کو اور بھی یقین ہو گیا کہ وہ فوجی جہازوں میں نہیں بلکہ  
انقلابی جنگ میں سرخ رہبر کہیں گے۔ ایسے حالات جن  
کے نتیجے میں انقلابی جنگ لڑی جاتی ہے، سازش سے پیدا  
نہیں ہوتے بلکہ تیز رفتاری سماجی تبدیلی سے جو اثر پھیرتی  
کیفیت رونما ہوتی ہے۔ اور نئے مطالبات سر اٹھاتے ہیں  
انقلابی جنگ کے حالات انہی میں پیوستہ ہوتے ہیں۔ اور جب  
حاکمان وقت، جدید تبدیلیوں کا چیلنج قبول کرنے میں ناکام ہوتے  
ہیں، تو انقلابی جنگ کا گزیر ہو جاتی ہے۔ فاضی کے سیاسی  
اقتصادی اور سماجی رشتوں میں تبدیلی کی طلب بڑھتے جاتے

۱۹۶۱ء تک گوریلاؤں کی طاقت کم ہونے سے بعض  
ہزارہ لگتی تھی اور ان کی اس اہمیت میں نمایاں کمی گئی تھی کہ  
جب تک چاہتے فرانس کی فوجوں کو جہازوں میں اُلجائے لیتے  
لیکن ہوا پر فرانس نے جو علاقے فتح کئے تھے، ان میں  
حکومت دیکر رکھا، کیونکہ اسے ایک ایسی آبادی سے واسطہ  
پڑا تھا جو کسی طرح تعاون پر آمادہ نہ تھی۔ قومی آزادی کے عمار  
کو میدان جنگ میں تو شکست ہو گئی لیکن اپنی اس کوشش  
میں وہ کامیاب رہی، جس کے تحت عام لوگ فرانس کے قبضے  
کو ناجائز سمجھتے رہے اور اس کے نظم و نسق سے عدم تعاون  
کرتے رہے۔

سوال یہ ہے کہ الجزائر کے کسانوں نے شدائد و  
آلام کے سات سال تک اپنی زندگیاں اپنی عورتوں کی عصمت  
اور اپنی جغیر کو کچھ کس لئے خطرے میں ڈالے رکھی؟ فرانس  
کے تسلط کے خلاف ان کے اس خود انکس اور خون ریز رد عمل  
کا جواز، محض ان کی قوم پرستی میں تلاش نہیں کیا جاسکتا۔  
ہندوستانی کے سوا دوسرے کسی ملک میں آزادی کی تحریک نے  
خون ریزی کی یہ صورت اختیار نہیں کی تھی، اور پھر یہ بھی سوال  
ہے کہ ہر فرد دشمن نے جب اس سے پہلے ہتھیار اٹھانے کا  
نعرہ لگایا تھا کہ کسانوں نے اس وقت، ٹیک کیوں نہیں  
کہا؟ اس کا جواب الجزائر کے ایک سرکردہ انقلابی نے  
دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موزوں وقت ابھی نہیں آیا تھا اس  
طرح کے واقعات تو اس وقت رونما ہوتے ہیں، جب پورے  
حکومت کے خلاف ہر پہی پیدا ہوتی ہے جب شدید کشمکشیں  
سر اٹھاتی ہیں اور ان کے اڑا ہوا اور عوام کے احیاء کے  
ہے مرد و عمارتیں غیر موثر ثابت ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے کے زمانے میں جب قوط پڑے اور  
حکومت نے بھاری ٹیکس لگائے تو کسانوں نے اس وقت  
بھی بغاوت کی تھی، لیکن ایس کن سماجی اور اقتصادی حالات  
کے جواب میں غم و غصے کے یہ مظاہرے، جو بے ساختہ  
انداز میں اور دشمنوں کے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔ گوریلا  
انقلاب کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ انقلابی جنگ کا مطالبہ  
محض اس قدر نہیں کہ عوام میں حکومت کے خلاف بغلیہانی  
پائی جاتی ہو بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عوام تنگ آمد  
بیگانہ آمد کی مسدود علم اور تحریک کے خاتمے کی خاطر سب سے

ایک ایسی حکومت، جو عوامی مسئلوں کی تکمیل پر آمادہ  
نہیں ہوتی، بالآخر اپنے وجود کا جواز اٹھونے لگتی ہے۔ انقلابی  
طاقتیں اپنی تدبیروں سے اس عمل میں تیزی پیدا کرتی ہیں اور  
اس کے لئے حاکموں کی مرکزیت اور موثر اقتدار کو کمزور کرتی ہیں  
میں اور انقلاب کی بکھری ہوئی چنگاریوں کو اٹھا کر کے انہیں  
ایک دھبہ جوالا دینا دیتی ہیں۔ ایسے متحول حالات میں جب  
کہ تبادلات کے لئے مقابلے کی صورت اکثر پیدا ہو جاتی ہے۔ غیر  
کیونکہ انقلابی گروہوں کو بہت سے عناصر کی تیار رکاوٹیں  
دیکھیں ہوتی ہیں۔ جن میں سب سے اہم عنصر مغربی طاقتوں کا  
رویہ اور ان کی پالیسیاں ہوا کرتی ہیں۔ پرانے نظام کے محافظوں  
کی حمایت کر کے امریکی عظیم قوم، جمہوری طاقتوں کی جنگی قوت  
کو ضعف پہنچاتی ہے اور درون جنگ میں غیر جانب دار رہنے والوں  
کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کیونٹروں سے امداد طلب کریں، اس  
طرح وہ کیونٹروں کی صف میں غے غازیوں اور نئے شہیدان  
کا خاذا کرتی ہے۔

## جب گوریلا کارروائی شروع ہوتی ہے

انقلابی تحریک، جب ایک بار گوریلا کارروائی کے مرحلے  
میں داخل ہو جائے تو اس کا مرکزی مقصد یہ قرار دیا جاتا ہے کہ دشمن  
کی اخلاقی بے بقاعی کو یقین کے درجے پر پہنچا دیا جائے اور  
اقتدار کے متوازی ادارے قائم کر کے اس مردود و نا  
حکومت کا تہا و عوام کے درویش کر دیا جائے۔ تحریک کا  
اصل کام یہ نہیں ہوتا کہ دشمن کو لڑائی میں ہار دیا جائے، بلکہ یہ  
ہوتا ہے کہ اسے نظم و نسق سے بے دخل کر کے نظم و نسق کا قبضہ  
انتقام کیا جائے۔ اس کوشش کا اصل مرکز دیہات ہوتا ہے  
جہاں آبادی کی اکثریت آباد ہوتی ہے۔ اور جہاں حکومت کا جبر  
محض، استحصال کی حد تک محسوس کیا جاتا ہے۔ یہاں عوام اور  
حکومت کے درمیان رابطے کا ذریعہ دیہات کا سرچہ اور اس



# جسٹس چائسلر کی برطرفی کی تائید میں ۲۳ مضبوط ہاتھ فضا میں اڑ رہے تھے

ڈاکٹر قریشی کے چچا پر اسٹیم کا انفرنسٹ فالٹ ٹیجے ان کے کابینہ تفستیم منہ کر سکا

## یہ وائس چائسلر کی وعکہ خلائی کی دستاویز ہے

ج ۱۰ بات برسی اتفاق ہو گیا تھا کہ مدگار پرونیوں کا جو منظر شدہ معیار ہو گا۔ وہی معیار موجودہ لیگچر ایلوں کے لئے بھی ہو گا۔ مدگار پرونیوں کی خالی آسامیوں کو موجودہ آرڈیننس اور قوانین کے مطابق درخواست گزار لیگچر ایلوں کو ترقی دے کر پُر کیا جائے گا۔  
د۔ اگر لیگچر سوسائٹی کو یہ شرائط قابل قبول ہوں تو وہ اسٹریٹک فونٹس واپس لے لے، اسٹریٹک معاملات کو طے کرانے کے لئے علحدہ علحدہ اقدام کرے گی۔

۱۱ جنوری ۱۹۷۱ء اور ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو وائس چائسلر اور لیگچر سوسائٹی کے ارکان کے درمیان ہونیوالے معاہدے سے وائس چائسلر اشتیاق حسین قریشی، محمد افضل قادری، ایم عقیق اللہ، ایچ ایم قاضی، محمد یوسف کے دستخط ہیں۔ اور مذاکرات میں انہی حضرات نے حصہ لیا۔ لیکن اساتذہ کرام لیگچر یونیورسٹی نے وائس چائسلر پر مذکورہ بالا شرائط میں ہونے والے مذاکرات میں طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کا الزام عائد کرتے ہوئے ان سے مستغفی ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔

انجن اساتذہ کرام لیگچر یونیورسٹی نے وائس چائسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی پر الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے ۱۱ جنوری ۱۹۷۱ء اور ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو لیگچر اساتذہ کرام لیگچر یونیورسٹی کے نمائندوں اور ان کے درمیان ہونیوالے مذاکرات میں جو تحریری وعدہ کیا تھا اس سے وہ معترف ہو گئے اور تحریری معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اساتذہ کے اعتماد کو خدو خویج کیا ہے، لہذا وہ ۱۵ ایوم کے اندر اندر اپنے عہدے سے مستغفی ہو جائیں۔ وائس چائسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے مذکورہ بالا اجلاس میں تحریری معاہدہ کیا تھا۔

الف۔ لیگچر یونیورسٹی آرڈیننس پرنٹنگ ٹائی کی جارہی ہے اور اس کی جگہ ایک نیا قابل قبول آرڈیننس بہت جلد نافذ کر دیا جائے گا۔  
ب۔ یہ بات بھی طے ہو گئی تھی کہ اسٹریٹکٹ اور حکومت سے لیگچر کے لئے سنگل گریڈ ۴۵-۵۰-۱۵۰ ای پی ۵۰-۱۵۰ کی سفارش کی جائے گی اور اس کی کارگزاری کا معیار آفریز اور لوسٹ گریجویٹ اور تحقیقی کاموں کا تین سالہ تدریسی تجربہ ہو گا۔

۲۰ فردوسی کو کراچی یونیورسٹی بند تھی۔ کلاس میں خالی تھیں، لیجے کا دیکھو اور اعلان سنان پڑے تھے۔ چوہے سر سڑنے چوتے سیاہ گون اور ہتے مسکوتے ششائش ششائش چہرے غائب تھے جن سے کلاس میں محبت مباحثہ اور بدلہ سخی کی مجلسیں سمجھی اور ہونے لگی۔ پتلی یونیورسٹی گھر کی خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی، البتہ مشتبہ فون کے دل میں زندگی کے آثار تھے۔

شبیک گیارہ بجے کراچی یونیورسٹی لیگچر سوسائٹی کا ایک غیر معمولی اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ اساتذہ کی بڑی تعداد دل میں موجود تھی۔ مگر یہ کہا جائے کہ اس سے قبل سوسائٹی کے ارکان اتنی بڑی تعداد میں کسی حاضر ہوتے تھے تو غلط نہ ہو گا۔ اساتذہ کی حاضری اور ان کی دلچسپی سے اس غیر معمولی اجلاس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اجلاس میں لیگچر یونیورسٹی کے وائس چائسلر مظہر تنیالی حسین قریشی کی خلاف ورزی کا اعتماد کی تحریک پیش ہونے والی تھی، لیکن اساتذہ کرام لیگچر یونیورسٹی نے اپن الزام عائد کیا تھا کہ

”وائس چائسلر اور شدہ تحریک نے اساتذہ کے جائز مطالبات کو مسترد کر دیا۔ ششائش ششائش میں نااہلی کا ثبوت دیا ہے، اور وائس چائسلر اور شدہ تحریک نے معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کوئے اساتذہ کے اعتماد کو خدو خویج کیا ہے، لہذا وائس چائسلر ۱۵ ایوم کے اندر اندر اپنے عہدے سے مستغفی ہو جائیں۔“

## اجلاس شروع ہوتا ہے

شبیک گیارہ بجے اساتذہ کا سگامی اجلاس شروع ہو گیا، کرسی صدارت پر ڈاکٹر افضل حسین قادری راجمان تھے۔ اساتذہ نے اپنے پیشے کا ذرا منظر رکھتے ہوئے ایک انتہائی شائستہ تقریر اختیار کیا تھا، آج ان کے دل سے ہر خوف غل چکا تھا، وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے سیدہ پیر تھے۔ طے کے دندناں میں ایک لیگچر کی نے

کے شیر ہوتے ہیں۔ اس رابطے کو توڑنے کے لئے محتاط منصوبہ بندی، تنظیم اور سخت محنت دیکر اسے دیہات سے حکومت کا خاتمہ ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق تدریج کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے دیہی حکام کو کیا توڑنے سا کھڑا لیا جاتا ہے، درنہ ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تحریک کے سیاسی ارکان

ڈاکٹر اشتیاق حسین کراچی سائیکلو اسٹائل بیان تفسیم کرنا شروع کر دیا۔ اساتذہ نے اس بات پر اعتراض کیا، لہذا لیگچر کی کو ایب کرنے سے روک دیا گیا۔  
چند لمحوں کے بعد اچانک وائس چائسلر کا ایک ایچی اکی چہرے کے ساتھ دل میں داخل ہوا۔ اس نے ٹھکانے لگے ہیں کہا۔ کون منع

جو آبادی کی ان ضرورتوں سے لاتعلق رہتی ہے اور ایسے انتظامی ڈھنچے نہیں بنا دی، رفتہ رفتہ اپنے منصب سے گر کر ڈکیتوں کا ایک گروہ بن کر رہ جاتی ہے  
نئے عہد پیلار مقرر کرتے ہیں یا سابقہ عہد پیلاروں سے اپنی ماتحتی میں کام لیتے ہیں۔ سرفروش باغیوں کو اس سرے میں ذریکام یہ وریش ہوتا ہے کہ ایک انتظامی ڈھانچہ قائم کریں تاکہ وہ ٹیکس اکٹھا کرے۔ کچھ تعلیم اور سماجی بہبود کے سامان بھی پیشیاں اور اقتصادی مگر مریاں بجال رکھیں۔ ایک ایسی انقلابی گوریلا تحریک

(باقی آئندہ)



کھسک جائے جس کی عافیت سمجھی۔

چند نشستوں کے تعطیل کے بعد اجلاس کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ ڈاکٹر افضل حسین قادری نے وائس چانسلر کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد پیش کرتے ہوئے اس اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے پندرہ منٹ کا وقفہ دے دیا۔ انہوں نے کہا کہ نہایت اہم ہے، ممکن ہے کہ لوگ آپس میں کچھ مشورہ کرنا چاہیں۔

وقفہ کے اعلان کے بعد اساتذہ عالی کے لئے باہر نہیں گئے اور اپنی نشستوں پر بیٹھے رہے کسی نے کہا: جناب ہم اس اہم مسئلے پر گیارہ سال سے غور و فکر کرتے آئے ہیں بہت سوچ سمجھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

دوبارہ اجلاس شروع ہوتے ہی وائس چانسلر کے منظور نظر شریف الحامد صدیقی صاحب نے اجلاس کی کارروائی پر تعلق پیدا کرنے کے لئے غور و مشورہ کیا کہ: قرارداد اہم ہے اساتذہ اتنے حلیہ کی غیبی نہیں پہنچ سکتے، پہلے اس قرارداد کی سائیکلو گرافیاں سہاواں اساتذہ میں تقسیم کرانی چاہیں۔

کسی نے کہا: اگر آپ حکم دیں تو اس قرارداد کو اتنی بار پڑھا جائے کہ اس کا ایک ایک لفظ آپ کو زیر ہو جائے۔

اس پر ایک دوسرے اشتادہ مزید جملے جڑ دیئے۔ صاحب صاحب اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے اس ایک جڑ ہے، وائس چانسلر صاحب پندرہ دن کے اندر اندر مستعفی ہو جائیں اتنی کی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟

انجمن اساتذہ کو پوری یونیورسٹی کی طرف سے جو قرارداد پیش کی گئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ سوسائٹی ۱۹۶۹ء سے یونیورسٹی کی خود مختاری، جمہوری آزادی، یونیورسٹی کی پالیسی اور انتظامی امور میں اساتذہ کے منتخب نمائندوں کی شمولیت، ان کی تعلیمی پالیسی کی روش میں کیڈٹ اور پے اسکیل پر نظر ثانی کے لئے مسلسل اور غیر آزما جدوجہد کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف حکام کے بار بار رابطہ قائم کیا گیا جس کا کوئی مثبت عمل برآمد نہ ہو سکا۔ اساتذہ نے سماعت مجوزی ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء سے غیر متعین مدت کے لئے فرائض پر جانے کا فیصلہ۔ اسی دوران میں حکومت نے ہڑتال کے نوٹس کے جواب میں اعلان کیا کہ ایک یونیورسٹی آرڈیننس زیر غور ہے۔ اور جس کا اعلان جلد سے جلد کر دیا جائے گا۔ دس اپنا وائس چانسلر نے بھی انہماق و تغیر کے لئے اساتذہ کو مدعو کیا اور اساتذہ کے تمام مطالبات کو سنڈیکیٹ اور حکومت سے منظور کرانے کا وعدہ کیا۔ انجمن اساتذہ کو پوری یونیورسٹی نے معاملات کو پرامن طور پر نمٹانے کے لئے حکومت کی یقین دہانی اور وائس چانسلر کے خیر کی معاہدے پر اکتفا کیا اور ہڑتال نوٹس کو منسوخ کر دیا۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ قابل انصاف امر ہے کہ سنڈیکیٹ نے معاہدے میں شامل قرارداد کو قبول نہیں کیا اور وائس چانسلر نے معاہدے کی قرارداد کو حکومت اور سنڈیکیٹ سے منظور کرانے کا

وعدہ ایسا کیا۔ یہی نہیں بلکہ سنڈیکیٹ نے اس معاہدے کو یونیورسٹی اساتذہ کی تجویز، کامام دینے کو اس کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی اور اس معاہدے کو اپنی طرف سے کوئی رائے دینے بغیر پاس کر دیا۔ یکم فروری ۱۹۷۱ء کو سوسائٹی اور وائس چانسلر کے درمیان آخری بینک ہوئی جس میں اساتذہ کے دفتر کو آگاہ کیا گیا کہ حکومت نے معاہدے کو منظور کر دیا۔ قراردادیں مزید کہا گیا کہ چونکہ وائس چانسلر اساتذہ کے لئے نئے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اساتذہ معاہدے کو سنڈیکیٹ اور حکومت سے منظور کرانے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں لہذا اساتذہ ۲ سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ پندرہ یوم کے اندر اندر مستعفی ہو جائیں۔

قرارداد پیش کرنے کے بعد سوسائٹی کے ارکان کو اس پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ یونیورسٹی کے شہزاد ندیم کے سربراہ میجر آفتاب حسن تیار بیٹھے تھے، قراردادیں پر پہنچ گئے اور کہا کہ مجھے اس قرارداد پر بری حیرت ہوئی، اساتذہ اس مسئلے پر پہنچ جائیں گے، اس کا مجھے گناہ تک نہ تھا، فرض کیجئے کہ اگر وائس چانسلر نے مستعفی ہونے کا طالع تسلیم نہ کیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟

میجر صاحب نے قرارداد پر دوسرا اعتراض یہ کیا کہ چونکہ قرارداد غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اس لئے اس کی کاپیاں تمام اساتذہ میں تقسیم کرانی چاہئیں اور اس پر غور کرنے کی مجلس دی جائے۔ واضح رہے کہ اس گنگائی اجلاس میں ارکان کی تعداد گزشتہ اجلاس سے بہت زیادہ تھی اور چھٹی کے باوجود دسہرے اساتذہ کی اچھی خاصی تعداد شرکت کے لئے آئی تھی۔

میجر صاحب کے اس اعتراض پر کسی نے چپکے سے کہا: جی ہاں، ضرور مجلس دی جائے تاکہ اسے ENTIAVE کر سکیں۔ وائس چانسلر کے ایک اور جی خواہ ڈاکٹر احسان رشید صدر شعبہ معاشیات، میجر آفتاب حسین کے موقف کی تائید کرتے ہوئے وائس سے گذر گئے۔

ڈاکٹر میٹلی اشرف نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے وائس چانسلر کے اگلے پچھلے سارے احکامات چکا دیئے، انہوں نے کہا: وائس چانسلر پر معاہدے کی خلاف ورزی عائد نہیں ہوتی انہوں نے سنڈیکیٹ کے سامنے آپ کی قرارداد پیش کی تھی۔ لہذا ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ غلط ہے۔

ان کے جواب میں کہا گیا کہ وائس چانسلر اور سنڈیکیٹ دونوں ایک چیز ہیں نہیں ہیں۔ وائس چانسلر اپنے مطلب کی بات سنڈیکیٹ سے منظور کروا دیتے ہیں۔ چند سال پیش تر ان کے کہنے پر سنڈیکیٹ نے ایک استاد کو فوری طور پر برطرف کر دیا اور جب وائس چانسلر نے دیکھا کہ اس استاد کی برطرفی سے حالات سنگین ہو جائیں گے تو سنڈیکیٹ کی ایک ہنگامی میٹنگ بلوا کر اس استاد کو دوبارہ ملازمت پر بحال کر دیا۔ جہاں تک اساتذہ کے مطالبات کا تعلق ہے، اگر وائس چانسلر چاہتے تو سنڈیکیٹ اس پر اپنی منظوری سے دیتی، ان کو اس

محلے میں وائس چانسلر کی نیت نیک نہیں ہے۔ قرارداد پر جب بحث فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے لگی تو میجر آفتاب حسن قدرے صخب مچاتے ہوئے اچھے میں بولے۔ "اے بھائی ٹی تو کہہ لیتے دو کہ ہم اس قرارداد پر کیا رائے قائم کریں۔ تیرکان سے کھسکا تھا۔ اساتذہ نے زوردار آواز میں کہا: جناب ہم طے کر چکے ہیں۔ میجر صاحب مسکائے۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کیا طے کر کے آئے ہو۔

کسی استاد نے کہا: جناب میں بھی معلوم ہے کہ آپ کیا طے کر کے آئے ہیں۔ اس غیر معمولی اور سنگینی اجلاس میں ایک اور نئی بات دیکھنے میں آئی کہ کچھ اساتذہ جن کے بلاتے پر دقت سے کہا جاتا تھا کہ وہ موی سی، ٹیکسپ کے آدمی ہیں، وہ قرارداد کی حمایت میں فن خطابت کا سارا زور صرف کر رہے تھے۔ ڈاکٹر منظور الدین احمد ریڈر شعبہ سیاسیات نے قرارداد کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انہیں چانسلر نے جہاں اساتذہ کا اعتماد کھو دیا ہے وہاں حکومت سے معاہدے کی منظوری حاصل نہ کر کے حکومت کا بھی اعتماد کھو دیا ہے۔ انہیں فوری طور پر مستعفی ہو جانا چاہئے۔

قرارداد میں ایک ترمیم پیش کی گئی، قراردادیں وائس چانسلر سے مروت مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ جب کہ ترمیم یہ کرائی گئی کہ وائس چانسلر پندرہ یوم کے اندر اندر مستعفی ہو جائیں صاحب قرارداد منظوری کے آخری تاریخ مقررے میں حائل ہو چکی تھی۔ میجر صاحب نے تھکے تھکے لہجے میں کہا: میں اس بھی کہتا ہوں کہ قرارداد اہم ہے۔ اسے اساتذہ میں سرکولر کر دیا جائے۔ ایک اساتذہ نے دوبارہ نگارش کی کہ جناب سرکولر کرانے سے مزید بھداڑے گی؟

آخر میں قرارداد کے حق میں ووٹ لئے گئے۔ ۱۱۳۳ اساتذہ کے مضبوط طعنے تقاضا میں لہر اٹھے۔ مخالفت میں صرف ۱۴ تھکے تھکے، مضطرب ہاتھ اٹھے، اور ڈانٹا کر گئے۔ ڈاکٹر معصوم علی ترمذی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وائس چانسلر کے دست راست ہیں، اس حق و باطل کے اس پرامن ٹھکرے سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، قرارداد کی مخالفت کرنے والوں میں پروفیسر ریاض السلام، پروفیسر نعیم الرحمن، پروفیسر امجد چوہدری پروفیسر افتخار علی اور چند دوسرے اساتذہ شامل تھے۔

قرارداد بالآخر اکثریت کے فیصلے کے مطابق منظور کر لی گئی، یہ پاکستان کی تاریخ کا پلا جریٹ انگیز اور معرکتہ الازادہ ہے، جب کہ اساتذہ نے مجبور ہو کر وائس چانسلر سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا ہو۔ قرارداد منظور ہو گئی۔ یونیورسٹی کے اساتذہ نے اپنا فیصلہ سنایا۔ اب دیکھنا ہے کہ یونیورسٹی کے چھوٹے ارب خاں اساتذہ کے اس فیصلے کے سامنے کب تک ٹھہرے ہیں۔



جنابہ عبد الحمید نے مشرقی بنگالہ میں بائیں بازو کے تحریک کے موضوع پر اپنے مضمون کے گذشتہ قسط میں تین خاصہ کردہ پورے گئے نشانہ گئے تھے (۱) گنا شکستہ گروپ (۲) پینہ گروپ (۳) ظفر مین گروپ۔ اسے مضمون گنا شکستہ گروپ اور داییں بازو کے مارکسٹوں کے حکمت عملی سے بحث گئے تھے۔

# گنا شکستہ گروپ مسلح انقلاب چاہتا ہے!

## اگر نیپ ولی گروپ عوامی لیگ میں شامل ہو جاتا!

اور اس مباحثے میں عام طور پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، ان میں انقلاب کی بھی گنجائش نہیں یہاں جس بات کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ دو بڑے گروپوں، یعنی دائیں بازو کے مارکسٹوں اور گنا شکستہ گروپ کے اصولوں کے نظم و ترتیب اور عملی پروگرام کا تجزیہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس حد تک قابل عمل ہیں اور خاص طور پر مشرقی بنگال کے موجودہ حالات میں؟ تو آئیے سب سے پہلے دائیں بازو کے مارکسٹوں کے موقف کا جائزہ لیتے ہیں:-

بائیں گروپوں میں، دائیں بازو کے مارکسٹوں نے سب سے پہلے اس غلط پالیسی کو محسوس کر لیا تھا، جو عوامی لیگ کے زیر قیادت، زبردست قومی، بال کی مخالفت پر مبنی تھی، چنانچہ اب انھوں نے مشرقی بنگال کی خود مختاری اور مغربی پاکستان کے اشتراکی علاقوں کی خود مختاری کی حمایت کی ہے، اگرچہ عوامی لیگ نے اپنے پھر نکات کے خلاف، قومی خود مختاری کے سوال کو جس سلسلہ سے پیش کیا تھا، اس تیزی و تندہی کے ساتھ انھوں نے اپنا خود مختاری کا پروانہ پیش نہیں کیا۔ یہ مارکسٹ، چونکہ ایک کل پاکستان پارٹی میں شامل ہیں اور ہر جگہ بکھرے ہوئے ہیں، اس لئے مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کے خلاف مشرقی پاکستان کی جدوجہد کو وہ اب بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھ رہے ہیں، گویا سرمایہ داروں کے خلاف یہ ایک کل پاکستان طبقاتی جدوجہد کا داخلی حصہ ہے۔

دائیں بازو کے مارکسٹوں کا اصل مقصد ایک بورژوا جمہوری پارلیمانی نظام قائم کرنا ہے جس سے معاشرے کو بتدریج ایک عوشلسٹ نظام میں تبدیل کرنے کا کام آسان ہو جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر یہ مختلف طبقات کا ایک متحدہ محاذ قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں محبت وطن سرمایہ داروں، متوسط طبقوں، کسانوں اور مزدوروں کی نمائندگی ہو۔ مزدور طبقہ چونکہ کمزور ہے، اس لئے، جاگیردار، اجارہ دار سرمایہ دار اور سامراجی حکمران طبقوں کے خلاف اس اتحاد میں بورژوازی ایک نمایاں کردار ادا کرے گا۔ ولی نیپ، وہ عوامی تنظیم جس کے

مقصود یہ ہو کہ اس نوع کی سرگرمیوں کو، چونکہ بھڑک جادی ہوں، ہم مربوط کریں اور ان میں شدت پیدا کریں، تاکہ بالآخر ریاست کا اقتدار اپنے قبضے میں لیا جاسکے۔ البتہ اصل جدوجہد کی حکمت عملی کو جہاں تک اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے کا تعلق ہے، یہ گروپ اس بارے میں پوری طرح واضح نہیں۔ اس کا ایک عذر غالباً یہ ہو سکتا ہے کہ ایسی کوئی حقیقی کارروائی سمجھی ہوئی نہیں، یہ وہ خیالات ہیں، جس کے بارے میں منصوبے، کے طور پر سمجھنے گفتگو ہوتی رہی ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ بہت سے سوالات کو آئندہ کبھی حل کرنے کے لئے انڈیا میں ڈال دیا گیا ہے کہ عملی کارروائی کے دوران میں جوں جوں پیدا ہوں گے، ان پر فیصلے کی صورت نکلے آئے گی، مثلاً یہ سوالات کہ دیہی علاقوں میں طبقاتی جدوجہد کی نوعیت اور ہیئت کیا ہوگی، حلیفوں اور طبقاتی دشمنوں کی واضح نشان دہی اور شناخت، حکومت کی زبردست اور تازہ فوجی طاقت کی طرف سے بھرپور حملے کے مقابلے میں مناسب قوت کا مظاہرہ اور پھر اپنے محفوظ اور نسبتاً آسے کے بارے میں مزید یقین دہانی۔ لظاہر ان لوگوں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ اس طرح کے سوالات کا ایک محتاط تجزیہ کرنے سے، پوری حکمت عملی کے قابل عمل ہونے کے امکان پر روشنی پڑتی ہے۔ تاہم اس حکمت عملی کے قابل عمل ہونے کے سوال پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔

### دائیں بازو کے مارکسٹ

یہاں اس بات کی صراحت ضروری ہے کہ مختلف گروپوں کے درجہ دار منصب اور ان کی حیثیت کا تعین ہمارا مقصود نہیں، یہ اصول بین الاقوامی سطح پر کئی برسوں سے زیر بحث چلے آئے ہیں

## گنا شکستہ گروپ، مسلح انقلاب، اس کا مقصود

ان تینوں گروپوں میں گنا شکستہ گروپ سب سے زیادہ منظم اور واضح ہے اور یہ ایک ہی گروپ ہے جس نے معقول طور پر ایک بسیط اور دیر پا موقف کی ترجیحائی کی ہے۔ جتنا کہ اتفاقاً صد یہ ہے کہ اس گروپ کے بارے میں نسبتاً زیادہ مکمل طور پر بحث کی جائے۔ ان کا مقصد مسلح جدوجہد کے ذریعے ایک نیا جمہوری انقلاب لانا ہے۔ یہ جدوجہد ایک متحدہ محاذ انجام دے گا جس کی قیادت کسان اور مزدور کریں گے۔ (اس میں کسانوں کے کردار پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اس لئے کہ نہ بحفاظت تعداد، یہ بھاری اکثریت ہیں) اور شہری صنعتی علاقے میں مسلح جدوجہد حکمت عملی کے اعتبار سے غیر ممکن ہے، متحدہ محاذ کی اس جدوجہد میں نسبتاً کمتر کردار محبت وطن بورژوازی اور درمیانہ طبقے کی شمولیت سے پورا ہوگا۔ گنا شکستہ گروپ کے لوگ بورژوازیوں کے سیاسی اداروں میں شملہ پارلیمنٹوں کے انتخابات میں شمولیت کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار کے حصول پر ممکن ہوتا ہے اور پارٹی کے لئے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ مستقبل ہو کر خود بھی چھوٹے بورژوازی طبقے کی ایک پارٹی بن جائے۔ یہ لوگ طبقاتی تنظیموں کے ذریعے کام کو بھی مشترک کر چکے ہیں، ایسی تنظیمیں آخر کار "معیشت پسندی" کو اپنا بڑا مقصد بنا لیتی ہیں اور اس سے انقلاب کے مقصد کو تقویت نہیں ملتی، ٹریڈ یونینیں، آجروں کے مطالبوں کو اپنا نام زمین وظیفہ بنا لیتی ہیں اور کریشک سمیتی کے تجربے سے ظاہر ہے کہ کسانوں کی تنظیمیں ایسے مطالبات آگے بڑھاتی ہیں، جن سے آراضی کے مالک متوسط درجے کے کسانوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہذا وہ اکیلی تنظیم جسے مضبوط بنانے کی ضرورت ہے، مارکسٹ پارٹی ہے اور مسلح انقلاب اس کا منہا ہے مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ بھاشانی گروپ سے الگ ہونے کے بعد انھوں نے ایک نئی "عوامی پارٹی" نہیں بنائی اور جسے طبقاتی تنظیموں میں یہ لوگ سرکردہ منصب پر کام کر رہے تھے، ان میں دھڑلے بندی کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔

انقلاب کی حکمت عملی یہ ہے کہ دیہات میں گویا گروپ بنائے جائیں جو انقلابی طبقاتی جدوجہد کو تیز کریں اور ان کا آخری



ذریعے، یہ لوگ کام کر رہے ہیں، ان کے خیال میں مختلف طبقات پر مشتمل ایک ایسی ہی پارٹی ہے۔ عوامی لیگ چونکہ ایک ایسی پارٹی ہے جس کی قیادت محبت وطن اور آزادی اور متوسط طبقے کے ہاتھ میں ہے اس لئے دائیں بازو کے مارکسٹ عوامی لیگ اور ولی نیپ کے درمیان انتخابات میں متحدہ محاذ بنانا چاہتے تھے۔ عوامی لیگ نے چونکہ اس اتحاد سے انکار کر دیا اور یہ شورہ دیا کہ ولی نیپ سیدھی طرح عوامی لیگ میں ضم ہو جائے، اس لئے دائیں بازو کے مارکسٹوں میں کسی قدر بھی پیدا ہو گئی ہے۔ گذشتہ چند مہینوں سے عوامی لیگ پر ان لوگوں کی سخت چینی بڑھتی جا رہی ہے اور اس پر ایک ایسی حکومت کے قیام کے لئے ناپاک ہتھکنڈے استعمال کرنے کا الزام لگا رہا ہے، جو رنگالی سربراہ دار کی انڈھا دھندرتی کی راہ کھول دے گی۔ صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ ۱۹۶۹ء کے موسم گرما میں عوامی لیگ کا مستقل دم چھٹانے رہنے کے بعد یہ جو ایک تبدیلی رونما ہوئی ہے اور عوامی لیگ پر بددست تنقید کی بوجھار ہو رہی ہے تو اس کا سبب دہی یا دوسری ہے، جو انتخابات میں اتحاد سے انکار ہو جانے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔

### نیپ اور عوامی لیگ میں فرق کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ جہاں تک قیادت کی طبقاتی ساخت، اس کے ارکان کی طبقاتی نوعیت اور پالیسیوں کا تعلق ہے ولی نیپ اور عوامی لیگ کا مقابلہ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں پارٹیوں کو اپنی اپنی قیادت بنیادی طور پر شہر کے متوسط طبقے سے حاصل ہوئی ہے۔ دونوں کے قائدین کی صف میں، کچھ ابھرتے ہوئے سربراہ داروں اور تاجروں کی تعداد شامل ہے۔ ان کی بنیادی روک تھام کی تشکیل کس طرح ہوئی ہے۔ اس بارے میں ضروری اطلاعات کی عدم موجودگی میں کوئی تجزیہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن گمان یہی ہے کہ مزدور طبقے میں روک تھام سازی اور دیہی عوام کے تعاون کے اعتبار سے عوامی لیگ کا جتنہ ولی نیپ سے نمایاں طور پر کم ہوگا۔ دونوں پارٹیوں کے پروگرام ایک دوسرے سے سیدھے ملتے ہیں۔ عوامی لیگ نے "سوشل ڈیموکریسی" کا وعدہ کیا ہے جس کی صراحت واضح طور پر اس کے حالیہ منشور میں ہو چکی ہے۔ اس نے غصے و سیخ پیلے پر قوی ملکیتوں کی تشکیل کا پروگرام شروع کرنے کا وعدہ کیا ہے اور اس میں بینک، انشورنس، درآمدی تجارت اور خاص نوعیت کی بڑی بڑی صنعتیں قومی ملکیت میں لینے کا پروگرام شامل ہے۔ ایک تیسری غیر جانبدار دنیا کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے، عوامی لیگ نے ہرودی کی خارجہ پالیسی سے اپنا تعلق منقطع کر دیا ہے۔ بیرونی احتمال کے خلاف اس نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس سے اس کی انتہا پسندانہ قوم پرستی میں شدت پیدا ہوئی ہے۔

لہذا، صاف معلوم ہوتا ہے کہ عوامی لیگ بھی بڑی حد تک مختلف طبقات پر مشتمل ایک ایسی پارٹی ہے جو دائیں بازو کے مارکسٹوں کے مقصود کے مطابق، بورژوا جمہوریت کا عبوری دور لانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ دونوں پارٹیوں کے درمیان اس معاملے میں، صرف ایک ہی فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ (۱) ان کے خیال کی روش سے عوامی لیگ اپنے مقاصد میں مخلص نہیں ہے، جبکہ ولی نیپ مخلص ہے اور (۲) یہ حقیقت بنائے امتیاز ہے کہ ولی نیپ پر مارکسٹوں کا اثر حاوی ہے اور انھیں اس جماعت میں اپنا کام کرنے کی کہیں زیادہ آزادی حاصل ہے۔ مندرجہ بالا طور میں نمبر (۱) کے متعلق دلائل سے کوئی فیصلہ کن بات کہنی مشکل ہے۔ اگرچہ یہ معلوم کرنا مفید ہوگا کہ اس طرح کے شکوک و شبہات کی کیا کوئی مضبوط بنیاد موجود ہے۔ یہ درست ہے کہ عوامی لیگ سے ماضی میں بعض اہم وعدہ خلافیاں سرزد ہوئی ہیں، لیکن ایسا ولی نیپ میں بھی ہوا ہے، حالانکہ نیپ میں مارکسٹ سرکردہ حیثیت میں موجود تھے۔ باقی یہ بات کہ ولی نیپ نے مارکسٹوں کو عمل کی خاصی آزادی نہ رکھی ہے تو یہ بات جزوی طور پر یقیناً درست ہے اور یہ بات اب جو ہے کہ مارکسٹ وہاں غلطے فعال ہیں اور ان سے پارٹی کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مارکسٹ اگر عوامی لیگ میں بھی مستعد ہوتے، خواہ یہ بات عوامی لیگ میں ادغام کی بنا پر ہوئی یا اس صورت میں جو زیادہ سازگار ہوئی کہ مارکسٹ ۱۹۶۹ء میں عوامی لیگ سے الگ ہونے اور نیپ بنانے اور اس میں شامل ہونے کی کوشش نہ کرتے، اس صورت میں آج عوامی لیگ کے اندر نہیں حسب ارادہ عمل کی خاموشی آزادی حاصل ہوتی۔

### اگر نیپ عوامی لیگ میں ضم ہو جائے

نیپ میں مارکسٹوں کو آج جس قدر آزادی عمل حاصل ہے، اگر عوامی لیگ میں آزادی کی صورت اس سے کمتر ہوتی تو اس کی تلافی اس طرح ہو جاتی کہ عوامی لیگ ایک کہیں بڑی اور وسیع پارٹی بنی اور یہ بات بورژوا جمہوریت کی کامیابی کے لئے اس پارٹی کے حق میں بہت اہمیت رکھتی ہے جس میں مختلف طبقات کے لوگ شامل ہوں۔ ان میں سے کوئی مارکسٹ اس حقیقت سے انکار نہیں کرے گا کہ مختلف طبقات کے محاذ کا جو خاکہ ان کے ذہن میں ہے، اس کی تشکیل آج عوامی لیگ کو شامل کئے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ جو اس وقت ایک ایسی سب سے بڑی عوامی طاقت ہے جس نے طبقات کے امتیازات سے گزر کر عام لوگوں کی حمایت حاصل کی ہے۔ لہذا، اس بات کا سرعہ لگانا چاہئے کہ دائیں بازو کے مارکسٹوں نے حصول اتحاد کی اس واحد قابل عمل تجویز کو ماننے سے کیوں انکار کر دیا، میری مراد عوامی لیگ میں ادغام سے ہے اور اپنے اس انکار سے ان طاقتوں

کو قہریم کر دیا جو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے چل پڑی ہیں اور ہر ایک کی کوشش کے مقاصد میں وہ خود ہی حاصل کرے۔ یہاں یہ تبادیل ضروری ہے کہ اس طرح کا ادغام مارکسٹ طاقتوں کے خاتمے کے مترادف نہیں ہوگا، کیونکہ جیسا قیاس کیا جاتا ہے، غیر معروف مارکسٹ گروپ عوامی لیگ کے پیچھے بھی اسی طرح اپنا وجود برقرار رکھے، جس طرح آج وہ یقیناً نیپ کے پیچھے موجود ہیں۔ اس ادغام کا مفہوم بس یہی ہونا کہ مختلف طبقات کا محاذ وسیع تر ہو جائے اور وسیع تر سماجی تفصیل کا وہ قدر قابل عمل طریقہ ہی تھا۔

مکن ہے، اس نتائج پر کوئی شخص یہ دلیل دے کہ نیپ نے جب اتحاد کا مطالبہ پیش کیا تھا تو اس وقت عوامی لیگ کے رہنماؤں نے بات نہ کی تھی کہ اس مطالبے کا جواب زیادہ مندرجہ ذیل میں دینی یہ بات یقیناً درست ہے۔ لیکن مارکسٹوں کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ عوامی لیگ، متوسط طبقے کے لوگوں کی قیادت میں کام کرنے والی ایک پارٹی ہے جس میں مارکسٹوں کی طرف سے مضبوط اور بے وقت افراد کے گروپ موجود نہیں جو اپنی قیادت پر دباؤ ڈال کر مغفل یا پس سوا سکیں۔ شاید یہی تمہیلیاں وہ ہیں جو بڑی ہیں۔ عوامی لیگ کے اندر بہت سے لوگوں کی نظر میں، انتخابات کے متعلق اس سے زیادہ اہم کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ قوم پرستانہ مظاہر کی بائزرگنی پر رورگر کی جلتے اور رائے کسی فرد کو اتحاد کی سعادت دے دی جائے، جس نے ماضی میں خفیت کی گزری دکھائی ہو۔

کیا مارکسٹ اس کوشش میں کامیاب ہو سکتے تھے کہ ولی نیپ کو ایک ایسی پارٹی میں اختیار کرنے پر آمادہ کر لیتے جس سے خود اس کی نفی ہو جاتی کہ تنظیم میں اس کے اندر دھڑک کی بنا پر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔

دائیں بازو کے مارکسٹوں کی اس کارروائی کے نتیجے میں کچھ میں پالیسی کارروائیوں کے اپنے منطقی نتائج ہوتے ہیں، چنانچہ اب پھر سننے میں آ رہا ہے کہ مارکسٹ اور ولی نیپ کے لیڈر عوام کو عوامی لیگ کے مقاصد سے خبردار رہنے کی تجویز کرنا کہہ کر رہے ہیں۔ جو لی ہی لوگ مجیب کی اس فرضی معذرت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہ سامراج کے خلاف جنگ نہیں کر سکتے اور مغربی پاکستان کے استحصال پسندوں کا ننگال کا اصل دشمن تصور کرتے ہیں، عین اسی وقت مشرقی بنگال کو الگ کرنے کی سامراجی سازش کا سایہ ان کے سروں پر منڈلانے لگتا ہے۔ انتخابات میں عوامی لیگ کی مخالفت، ایک ایسی ضرورت ہے جس کے تحت مینپ لاچار اختلافات ایجاد کرتی ہے، اور غریب دی کی نیت کو عوامی لیگ کے منہ پر جتی ہے اور اس طرح اتفاق کو دوسری گہرائی ہے۔ دائیں بازو کے مارکسٹ اپنی کارروائیوں کے ایک ایسے متحدہ محاذ کے قیام کی امیدوں کا خاتمہ کر رہے ہیں، جو ان کی توقع کے مطابق بہت وسیع اور مختلف طبقات پر مشتمل ہو سکتا ہے اور علیحدہ دائیں بازو اور سربراہ داروں اور سامراجی مفادات کی حکومت کیلئے جنگ کر سکتے ہیں۔



## یہ جنگ کیسی!

مرے عزیزو! یہ جنگ کیسی  
مرے رفیقو! یہ خون کیسی  
یہ اپنے ہاتھوں میں سنگ کیسے  
یہ ان سردوں میں جنون کیسا  
مرے تمہارے یہ سارے لمبے  
مری تمہاری یہ سب زبانیں  
پتائی جو جی و ڈور سالوٹ  
چٹاب و راوی دنی داستانیں  
مرا تمہارا عظیم ورثہ - عظیم دولت  
تو پھر ہمارا کوئی قلم ہو

کوئی زبان ہو  
کسی قلم سے لکھو عزیزو  
کسی زبان میں لکھو مگر تم  
وہ زخم لکھو وہ درد لکھو  
وہ زخم جو ہر طرف سے ہم کو ہمارے ہیں  
وہ درد جو ہر جگہ سے ہم کو پکارتا ہے -

مرے رفیقو!  
وہ گیت لکھو وہ پیار لکھو  
وہ پیار جس کو -

ہماری ماؤں نے لوریوں میں ہمیں دیا ہے -  
جو ہم نے ان کے سہرے ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ کر کبھی پیار ہے  
کہ جس کے گھسنے کا عہد اپنی زبیں سے ہم نے کبھی کیا ہے -

وہ دیکھو اپنے عظیم قائد کی بند آنکھیں  
جو اپنی مٹی میں سو رہی ہیں

وہ آج مر مر کی جالیوں سے

ہمارے چہروں کو پڑھ رہی ہیں

ہماری جانب سوال بن کر

وہ تیز قدموں سے بڑھ رہی ہیں -

لے رہندھی عثمانی کا یہ عظیم رسالہ

لے رہنجانی کی

## غزل

دست لکھیں سے زورِ گلستان سے آج

تجھ میں ہمت ہے تو پھر صبح گریزاں سے آج

عصرِ حاضر سے نہ کرنگی داماں کا گلہ

عزم کی جوت جگا نختِ یزدان سے آج

اب بھرے دہریں سے گانہ کوئی دایہ زبوں

شوق سے وصول اڑا غارِ نیلاں سے آج

وہ کڑی دھوپ میں نکلے گی نہ گھر سے باہر

اب نہ اے دیدہ پریم رہد ویراں سے آج

صبر کے پھل کی توقع میں نہ لکھو عمرِ عزیز

عجز سے اٹھ اٹھا شاخِ زرفشاں سے آج

آئینہ حضرتِ ناصح کو دکھایا بھی تو کیا!

آج پی ہے تو کسی صاحبِ عرفان سے آج

\*\*\*



# جستہ

اسے سچ نہ جانتے، محض مذاق ہے، ایک ساس کے مزاح کے عین مطابق۔

## منافع کا کاروبار

لوٹنے لوٹنے کے نام پر کالے جادو اور فعل عمل کے حامل قسمت کا حال بدلنے والے نوری اور جھڑپو پوچھ سے علاج مریضوں کو شفا یاب کرنے والے "روحانی معالج" اب "تعلیم یافتہ اور میدا" معاشرے میں بھی بے روزگاری اور کسی بھی کی شکایت نہیں کر سکتے۔ فرانس میں ان کے لئے زرا ندوز کی کی جی ٹی ٹی ٹی ہے۔ فرانس کے اخبارات نے یہ اطلاع دی ہے یہاں کے روحانی معالج "۲۰ کروڑ ڈالر سالانہ کماتے ہیں۔ عطلوں اور معجزہ دکھانے والوں" کا دھندلایا ہوا کھلے کھلے جوں میں دن دہاتے چلتا ہے۔ ان میں سے بعض تو اپنی کمائی میں سے انکم ٹیکس بھی ادا کر لیتا۔

## پولیس کو پولیس کی تلاش

سان فرانسسکو میں پولیس کے لئے عمل میں ملتا۔ نوجوان بھرتی ہونے کے لئے اور نہیں آتے کیونکہ اس پیشے میں خطرات بہت ہیں۔ بلدیہ کے حکام نے اس مسئلہ کا ایک اور حل تلاش کیا ہے۔ انہوں نے پولیس کے علیحدہ کیونکہ ایک ہے کہ ہر روز کی ڈیوٹی کر کے بعد زنگوٹ پھانسنے کی ہم پر دفتر سے نکل جایا کریں۔ چوبیس دلا ایک زنگوٹ بھرتی کرے گا، اسے ایک دن کی ہفت روزہ پھیلے گی۔

## قصہ مختصر

ضلع گجرات میں کسانوں کی ہزاروں سے سنگین صورت حال پیدا ہو گئی۔ پولیس کی سنگین صورت حال کا جواب ہے۔

منظر گدھ میں تھلے کی چھت تو ڈاکٹر ہلو چڑا لیا گیا۔ چھت کی حفاظت کے لئے دو واڑہ کھلا رکھے۔

ہندوستان کو متحرک رکھنے کا تہیہ کر چکا ہوں (بھٹو) خیرات گھر سے شروع ہوئی ہے۔

خان قیوم عید کے بعد جو بیٹے ملنے ڈھاکہ جا رہے تھے۔ (ایک نازہ خبر)۔

جوبیہ پاکستان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، خان قیوم کا دعویٰ (ایک بریلی خبر)۔

جماعت اسلامی اقتدار نہیں، اسلامی نظام چاہتی ہے (مولانا فتح محمد) انگوڑ کھٹے ہیں۔

یہ واقعات اخبار دوسے اخذ کیے گئے ہیں اور اس امر کا ثبوت ہیک حقیقت انسانے سب زبانا دلچسپ ہوئی ہے

یقین ہے، فلم کے لئے مناسب مارکیٹ مل جائے گی اور مٹاؤ میں "ہٹ" جائے گی۔

## تفصیل ایک مقدمے کی

یہ جاپان کی تاریخ میں سب سے طویل اور غالباً سب سے مہنگے مقدمے کی روداد ہے۔ ۱۰ اکتوبر سال قبل ۱۹۵۲ء میں امریکہ کے خلاف ٹوکیو کے شہر میں نے ایک زبردست مظاہر کیا۔ مظاہرین میں سے ۲۶۱ افراد گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد قاعدہ مقدمہ شروع ہوا۔ ۱۹۵۲ سال اور ۱۹۵۶ تک جاری رہا۔ اس دوران میں ۱۹۲۱ ۱۰ پیشیاں بھگتی گئیں اور مقدمے کی دستاویزات کو جب تلے اوپر رکھا گیا تو ہم ٹر کی بلندی تک پہنچ گئیں۔ عدالت کے خرچ کا اندازہ ۶ لاکھ ۱۱ ہزار ڈالر ہے۔ اس دوران میں ۲۶۱ میں سے ۶ "ملزموں" نے دہلی، اجل کو ٹیک کہا اور اللہ کو پیارے ہو گئے بہت سے افراد کی ملازمتیں ختم ہو گئیں کیونکہ انھیں بار بار عدالت میں پیشی بھگتنی ہوتی تھی، لیکن انجام اس مقدمے کا کیا نکلا؟ "ملزموں" کا "جرم" ثابت کرنا بوجہ مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ۱۱۱۰ افراد کو بری کر دیا گیا اور باقیوں کو سات ڈالر سے لے کر دو سال کی قید تک کی سزا دی گئی۔



## محض بڑے مزاح

"ٹیکساس میں ایک ہیرسنگنگ سیلون کے اندر اس مضمون کا اشتہار آؤنڈال ہے۔

لکھا ہوا ہے کہ ہمارے بار بار ہمارا آپ کو پسند نہیں آیا تو بھی صبر سے کام لیجئے۔ اس کا ہاتھ کنگھے کے علاوہ پستول پر بھی صفائی سے چلتا ہے۔"

## "مہانوں" کے لئے بہترین مکان

مغربی جرمنی کے ایک روزنامہ نے اس مضمون کا اشتہار شائع کیا ہے۔

برائے فروخت، فادام کا ایک مکان۔ اسٹیل اور آئرن گھر ساتھ ہیں۔ درختوں کے درمیان خوش وضع لان۔ ازمیرلو تعمیر کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس اشتہار کی عبارت میں ختم نہیں ہو جاتی آخر میں لکھا ہے۔ "گھوڑوں یا مہان مزدوروں کی رہائش کے لئے بہترین ہے۔"

بدقسمتی سے "مہان مزدوروں" کی اصطلاح، مغربی جرمنی میں غیر مالک سے آنے والے مزدور پیشہ لوگوں کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد یہاں دس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ اشتہار کی عبارت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مغربی جرمنی میں ان "مہانوں" کی پذیرائی کس طرح کی جاتی ہوگی۔

## سبق آموز مسلم

امریکی حکومت اسلام کی ناجائز خرید و فروخت کی کس طرح حوصلہ شکنی کرتی ہے، اس بارے میں عام لوگوں کو باخبر رکھنے کے لئے (تعلیمی) ایک فلم تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ کام ایک فلم ساز کمپنی کے سپرد ہوا۔ فلم کا مقصد حکومت کی کارکردگی ظاہر کرنے کے علاوہ عوام کی ذہنی تربیت بھی تھا۔ فلم تیار ہو گئی۔ اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ امریکی پولیس اور خفیہ محکموں کے ایجنٹ اسلام کے ناجائز کاروبار کا ایک زبردست حوالہ کس طرح توڑتے ہیں اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں۔

فلم حکومت کی ضرورت کے مطابق تھی، لیکن اسے نمائش سے پہلے، جب کانگریس کے ارکان کو دکھا لیا تو ان میں سے اکثر نے اپنا سر پٹ لیا۔ بعض امکان کے الفاظ میں "ایسی شہوت ناک اور مار دھات سے بھر پور فلم" ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کانگریس کے اجلاس میں ایک طویل بحث کے بعد فلم کی نمائش روک دی گئی۔

لیکن فلم کے پروڈیوسر ایسی تخلیق سے یاپس نہیں ہٹیں



ہندوستان کے اقتصادی اور ذرا گریبانہ چند نے اپنے سابقہ معنوں (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں سرمایہ داروں اور زمینداروں کے ساتھ ذکر و کتابت کے گہرے جوڑ کا ذکر کیا تھا۔ اس معنوں میں انہوں نے ہندوستان کے وسائل پیداوار پر امریکہ اور برطانوی سامراج کے قبضے کے تفصیلات بیان کی ہیں۔ سامراج کسے نوآباد ملک کو اپنا محتاج اور تابع کسے طرح بناتا ہے، یہ بات ذیل کے سطور میں ملاحظہ کیجئے۔ اپنے میں ہمیں اپنے ملک کی جھلکیاں بھی ملے جاتی ہیں۔

## ”سامراجی ملک

## ہمیں دونوں

## ہاتھوں سے

## لوٹ رہے ہیں

## ہر شعبے میں

## ایک امریکی مشیر

## گھسا بیٹھا ہے

## ڈاکٹر گیان چند

ہندوستان کے سسے میں ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم نے ہمیشہ غیر ملکی امداد پر انحصار کیا اور جس قدر غیر ملکی امداد ہمیں حاصل ہوئی ہے، اس کی امداد اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں کی امداد اس کے پانچویں یا پچھنے حصے کے برابر بچاتی امداد امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں کی طرف سے وصول ہوتی ہے، جوئی الحال ہمارے سب سے اہم قرض خواہ ہیں۔ ان حالات کے نتیجے میں ہمارا اقتصادی انحصار عالمی بینک اور برطانیہ فرانس، اٹلی، جاپان اور آسٹریلیا جیسے ملکوں کے توسط سے امریکہ پر بڑھتا گیا ہے، جب کہ یہ ملک بجائے خود بھی امریکہ کے کنٹرول میں ہیں۔ اس میں یہ حقیقت بھی شامل کر لیجئے کہ غیر ملکی امداد سے حاصل ہونے والے سرمائے کو نہایت بری طرح استعمال کیا گیا ہے ہم نے امداد کی صورت میں چھ ہزار کروڑ غیر ملکی قرضے کا سودا کیا ہے۔ اس کے لئے زمین اصل سرمایہ اور اس کا سودا لپک کر اچڑے گا۔ اور ہمارے پاس ایسی کوئی رقم نہیں، جس سے واپس کی بندوبست ہو سکے۔ اس غیر ملکی زرمبادلہ نہیں ہے

## ملک کے وسائل وغیرہ کے تصرف میں

ہماری غیر ملکی تجارت کا بیشتر حصہ غیر ملکی فرموں کے ہاتھ میں ہے۔ جو دراصل برطانوی ہیں اور کسی حد تک شمالی امریکہ کی ہیں۔ ہماری غیر ملکی چار و زانی کا دس سے پندرہ فی صد حصہ ہندوستانی ہے، باقی بچی ہاتھوں میں ہے ان میں جاپان، شمالی امریکہ، برطانیہ، ایران اور فلپائن کے حصے شامل ہیں۔ غیر ملکی تجارت بڑی حد تک اپنی غیر ملکی جہازوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ آزادی سے پہلے انگریز ہمارے معیشت کے نہایت اہم شعبوں پر قابض تھے آزادی کے بعد سے ہندوستان میں برطانیہ کی سرمایہ کاری میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی امریکہ جرمنی اور جاپان نے بھی ہمارا سرمایہ لگا دیا ہے۔ یہ غیر ملکی تعزیت ہماری انتہائی اہم برآمدی صنعتوں میں اپنا کام کر رہے ہیں مثلاً کے طور پر نقدی اجناس کے کاروبار پر ان کا کنٹرول ہے، جن سے ہم غیر ملکی زرمبادلہ لگاتے ہیں مثلاً غیر ملکی تجارت وغیرہ پر ان کے کنٹرول میں ہے ہی غیر ملکی بینک لے سرمایہ ہمیں فراہم کرتے ہیں لہذا انہیں ہندوستان کو اپنے تصرف میں لینا ہوگا۔ اس اقدام کی بات ہمیں اب نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ یہ غیر ملکی بینک، بیشتر صورتوں میں برطانوی بینکوں کی شاخیں اور برطانیہ، امریکہ، سامراج کا چھوٹا بھائی بنا ہوا ہے لہذا

یہ بینک بھی بالواسطہ طور پر امریکہ کے کنٹرول میں ہیں۔ اس طرح ہندوستان کی اپنی بڑی تجارت بڑی بڑی غیر ملکی اجارہ داروں کے مقابلے میں ناگزیر حیثیت اختیار کر رہی ہے

## غیر ملکی کمپنیوں کے ہتھکنڈے

ہندوستان کے نقطہ نظر سے ہماری اپنی اجارہ دار بڑی بڑی اہمیت رکھتی ہیں لیکن برطانیہ اور امریکہ کی بڑی بڑی مغربی اجارہ داروں کے مقابلے میں یہ بہت جہاں حکم حیثیت ہیں ہمارے دوسری اجارہ داروں کو یہ معلوم ہے کہ ان کا مفاد غیر ملکی اجارہ داروں کے مفاد کے تابع ہے۔ چنانچہ غیر ملکی اجارہ دار انہیں کنٹرول کرتے ہیں۔ انہیں اپنی ناگزیر حیثیت کا شریکار بناتے ہیں اور پھر ان کے ذریعے ہندوستان کی معیشت پر اپنا قبضہ قائم رکھتے ہیں دوسری بڑی صنعتیں، اجارہ داروں اور ایوانائے تجارت یہ سب برطانوی، امریکی اور جاپانی فرموں کے قبضے میں ہیں۔ ہمارے دارالحکومت، پانچواں اپنی غیر ملکی اجارہ داروں کے توسط سے ہماری معیشت ملک میں اپنا نفوذ کرتی ہے۔ لیکن محض اتنا ہی نہیں ہے۔ امداد کے ذریعے، انہوں نے ہمارے تعلیمی اداروں اور ہماری زرعی ترقیات کو بھی کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کے مشیر ہر جگہ مصروف ہیں جو نہایت چالاک اور مستعدی سے، نئی نئی اور غیر ملکی مفادات کے نفوذ کے حق میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ علاوہ انہیں غیر ملکی مشیر، حکومت کے ہر شعبے میں موجود ہیں، منصوبہ بندی کمیشن میں، وزارت خزانہ میں، وزارت تعلیم میں، وزارت صنعت میں، تجارت و خوراک کی وزارت میں، حتیٰ کہ ریزرو بینک اور انڈین سٹیٹ بینک میں بھی غیر ملکی مشیر براہِ جان ہیں۔ یہ غیر ملکی مشیر فنکاروں کے، انہیں ہیکل سیاسی ایجٹ ہیں، جو ہماری معیشت، ہماری انتظامیہ اور ہمارے تعلیمی اداروں پر کنٹرول قائم کر رہے ہیں، جن کے اثرات گہرے اور دور رس ہوں گے۔ یہی اعلیٰ سطح کے ملکوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ہمارے فنانسنگ سسٹم پر ان کا نفوذ قائم ہے، مثلاً فوڈ ناؤڈیشن ہے انڈیا کی فوڈ ناؤڈیشن ہے تاکہ ان کی طرف سے انہیں مواقع ملتے ہیں ان مفادات پر ان کی دل چاہی ہے۔

ہمارے محکمات طبقوں کو غیر ملکی سرمایے کے اس نفوذ کا قطعاً احساس نہیں، امریکہ، برطانیہ اور جاپان طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں تاکہ ہماری معیشت، ہماری



انتظامیہ اور سہارے تعلیمی اداروں پر مکمل قبضہ جمانے ہوئے اپنی گرفت اور مضبوط کریں۔

غیر ملکیوں کا کنٹرول بعض اوقات پر فریب ہوتا ہے کیونکہ کہیں کہیں صنعتوں میں ۱۵ فیصد حصہ ہندوستانی مفادات کے تابع ہے، لیکن معمول کے اس ۱۵ فی صد سے موثر کنٹرول کی حیثیت واضح نہیں ہوتی اصول کی حد تک تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر نام نہاد شراکتی منصوبوں کے مالک، جن کے مفادات بظاہر اقلیت میں ہوتے ہیں، ان صنعتوں پر اپنا مکمل کنٹرول رکھتے ہیں اس من میں اگر ہم معاہدے کی شرائط کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ قانونی اکثریت کو موثر کنٹرول حاصل نہیں ہوتا۔ بد قسمتی سے ہندوستانیوں کے ساتھ غیر ملکیوں کی یہ ساری نام نہاد شراکت اور اصل ہندوستانیوں پر غیر ملکیوں کے مکمل کنٹرول کے تراوت رہی ہے یہ ایک اور مذموم سازشی ہتھکنڈہ ہے، جس کے تحت ہماری معیشت پر غیروں کا قبضہ رہا، اور ہم اس صورت حال کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ یہ معاملہ اثر و نفوذ کا ہے، اور اس بنا پر ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہمیں پروگرام ۱۵ فیصد مالکانہ حقوق حاصل ہیں، لہذا ہم کی مالک ہیں، مالک اصل میں ہمارے شریک کاریں۔ ہم تو عرض ان کا حکم بجاتے ہیں۔

## افراط زر سے دولت مندوں کو فائدہ پہنچا

اس تمام صورتِ احوال میں ہمیں اس حقیقت کو بھی شامل کر لینا چاہئے کہ گذشتہ دس سال میں ہمارے یہاں قیمتوں میں وگتنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ دوسری طرف ہماری حقیقی آمدنی یعنی مزدوروں اور سب سے زمین کسانوں کی آمدنی اس شرح سے کم ہوئی ہے۔ ہمارے درمیانہ طبقے بھی سمٹ کر کم ہو گئے ہیں اور افراد کے فائدے دولت مندوں کو حاصل ہوئے ہیں دولت مندوں نے اپنی دولت میں اضافہ کیا ہے۔ اور اپنی آمدنی میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے انھوں نے پورے ملک کے مفادات بیچ دینے ہیں۔ نیز اس کا یہ نکلنا ہے کہ افراط زر کے (تھوڑے عوام) انتہائی شدید معاشی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر ترقی ہوئی ہے وہ سب عوام کی مخالفت میں ہوئی ہے، سوشلزم کے خلاف ہوتی ہے اور عوام کے مفادات کو اس سے جتن قدر نقصان پہنچا ہے اس کے اثرات سے نجات پانے ہیں اس ملک کو زبردست جدوجہد کرنی پڑیگی اس کے لئے ہمیں ایک عظیم سوشلسٹ نظام کی ضرورت ہے۔ بائیں بازو کی طاقتوں کے درمیان زبردست اتحاد درکار ہے۔ یہ اتحاد فی الوقت موجود نہیں، لہذا اس بات کے مواقع بہت کم ہیں کہ عوام دشمن اور سوشلسٹ دشمن طاقتوں کو جو پوری طرح متحد ہیں شکست دے سکیں گے، اس لئے جہاں تک عوام اور سوشلزم کے مفادات کا تعلق ہے ان کے نقطہ نظر سے، ہمیں کوئی دلی

نوشکن امکان نظر نہیں آتا۔

## ضروری بات کیا ہے؟

یہ نو ملک میں تبدیلیوں کی وہ صورت ہے جو رونما ہو چکی ہے، اچانچہ موجودہ رجحانات کو ہم جب تک بالکل منقلب کرنے کا فیصلہ نہیں کریں گے، ہم سوشلزم جیسی کسی بات کو بروئے کار نہ لاسکیں گے بلکہ اس دوران میں عوام کا افلاس اور زبردست طبقوں کی دولت بڑھتی جائے گی۔

یہ بات ملک کی معیشت کے لئے تباہ کن رہی ہے لیکن حکومت کے اندر اب کہیں جا کر یہ شعور پیدا ہونے لگا ہے کہ یہ صورت حال تباہ کن رہی ہے۔

ہمیں اپنے ملک میں ایک زبردست جمہوری تحریک کا ضرورت ہے، جب کہ یہ بات عام ہے، بایاں بازو ہمارے ملک میں متحد نہیں۔ سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیاں تین چار دھڑوں کا بٹ بٹ چکی ہیں۔ خود کا طریق پارٹی اچھے ایک سوشلسٹ پارٹی ہونا چاہئے۔ سرے سے سوشلسٹ پارٹی نہیں ہے۔ حالیہ جواں کی دور یہ ہے کہ اس کے بعض لیڈروں کو یہ احساس ہوا کہ کچھ کمزور ہونا چاہئے۔ دوسرے ملک میں زبردست الٹ پھر ہو جائے گا۔ اور یہ کہ سب سے نیچے اور ناراض طبقوں کے لوگ اب مزید مبر سے کام نہیں لیں گے۔

ہم تمام شعبوں میں سوشلزم چاہتے ہیں اور نہ صرف صنعت کو بلکہ اپنی قومی زندگی کے ہر شعبہ کو سوشلزم سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم یہ سادہ سی بات ہماری حکومت کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جب تک سوشلسٹ برسرِ اقتدار نہیں آئیں۔ اور کمیڈی مینڈول پر قابض نہ ہوں، سوشلسٹ معیشت قائم نہیں کی جاسکتی۔ ہماری انتظامیہ میں ایسے لوگ برسرِ کار رہے ہیں۔ جو نہ صرف یہ کہ سوشلزم میں یقین نہیں رکھتے بلکہ انہوں نے جسے بڑے بڑے امریکی اور ہندوستانی سرمایہ داروں سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔

چودہ اہم بینکوں کو قومی ملکیت میں لیا جاسکا ہے اور اگر ان بینکوں کو عوامی مالی اداروں کی حیثیت سے چلانا مقصود ہو تو ہمیں اپنے مقاصد میں بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ اور انہیں چلانے کا انداز تبدیل کرنا ہوگا۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات

قیمتوں میں  
وگتنہ اضافہ ہوا ہے  
محنت کشوں کی آمدنی  
گھٹ گئی ہے

یہ ہے کہ بینکنگ کی صنعت میں ان کے داخلی تعلقات کی پہچ سرے سے بدلتی ہوئی۔

چار پانچ اہم مالی ادارے یعنی بینک ادارے موجود ہیں، جو ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جنہیں سوشلسٹ مقاصد سے کوئی ہمدردی نہیں اور جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ مفاد پرستوں سے ان کا گٹھ جوڑ ہے۔ یہ عناصر ان بینکوں کے سارے وسائل بڑے سرمایہ داروں کے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔ سوشلزم کو بروئے کار لانا ان کا مقصود نہیں یہی کچھ منصوبہ بندی میں ہو رہا ہے۔ جو ہندوستان میں بہت ناقص رہی ہے۔ ہمارے یہاں منصوبہ بندی کرنے والوں کو سوشلزم پر کبھی یقین نہیں ملا اور آج وہ اس پر یقین کرتے ہیں۔ چوتھا چھٹا منصوبہ۔ سوشلسٹ منصوبہ نہیں ہے اور پلاننگ کمیشن کے ارکان کی اکثریت، نہ صرف یہ کہ سوشلسٹ نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ سوشلزم کے کٹر مخالف ہیں۔ جب تک ہمارا کوئی پلاننگ کمیشن نہیں ہوتا، ایک سوشلسٹ انتظامیہ نہیں ہوتی اور سیاسی حلقوں میں تمام کیڈس مناصب پر سوشلسٹوں کا قبضہ نہیں ہوتا۔ سوشلسٹوں کے دشمن، جنہوں نے وقت با اختیار عہدوں پر فائز ہوئے تھے ہیں۔ ہندوستان اور غیر ملک کے بڑے سرمایہ داروں کی مدد سے ملک کو مختلف سمت میں وکیل کر رہے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اس وقت وہ جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرتے رہیں گے۔ جب کہ حقیقت وہ ایک نیم نسطالی معیشت اور انتظامیہ کا اقتدار قائم کریں گے۔

## بیوروکریسی ختم کی جائے

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آج ہمارے عوام کے اہم ترین فرائض میں سے ایک فرائض یہ ہے کہ بیوروکریسی (ادارہ رشی) کو عوامی اختیار کے تابع کریں۔ اب اگر ہم ادارہ رشی کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اپنے نظم و نسق کو بدلنا ہوگا۔ موجودہ ادارہ رشی سرے پاوں تک وجہت پسند اور قدامت پرست ہے اور جیسا کہ میں نے بار بار کہا ہے ہندوستان میں بھی بڑے سرمایہ داروں سے اس کا گٹھ جوڑ ہے۔

اگر ریاست نے کیڈس شعبوں میں اپنے پھر پورا منتیالیت استعمال کئے تو اس سے ساری معیشت کی تجدید ہوگی اور اس کا یہ کردار رہنمائی کا ہوگا، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکیت کے لحاظ سے نجی سرمایہ کاری، بینک سرمایہ کاری کے مقابلے میں، کہیں زیادہ اہم ہے۔ تاہم نجی سرمایہ کو عوامی مفادات کے تابع اس طرح کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ سرکاری سرمایہ آج کل کے مقابلے میں زیادہ فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ ہم ایسا کرنا چاہیں اور سوشلزم کا حصول واقعی ہمارے دلی کی بات ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں سوشلسٹ مقاصد کے لئے معیشت کے اہم شعبوں کو قومی ملکیت میں لینا ہوگا۔



# افریقائی ممالک : ایک نظر سے



نہو آزاد افریقہ اس کا نہ، جنوبی افریقہ کو ہتھیاد سہلائی کرنے  
مے فیملے پورڈٹے کراحتجاج کیا اور یہ ثابت کردکھایا کہ یہ ممالک  
ابہ سماراج کے احاطے نہایہ کوہے گے۔ افریقہ ملکوں کا یہ اتحاد،  
ایک نیکے شگونے ہے۔ اپنے اولاد پر افریقہ ملکوں کے وسائل کے دولت، اور ان کے عام  
حالات کا ایک سرسرمے تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

## وسطی افریقہ

## شمالی افریقہ

مملکت کا نام	دار الحکومت	رقبہ (مربع میل)	آبادی	بندگاہ	میں	پاؤنڈ	پاؤنڈ
مصر	قاہرہ	۳۸۶,۰۰۰	۴۰ لاکھ ۹ لاکھ	اسکندریہ، بورسعيد	میرمن	۱۰۸,۳۶۸	۵۰ لاکھ ۵۰ ہزار
لیبیا	ٹریپولی، بن غازی	۶۰۹,۳۵۸	۱۰ لاکھ ۹۰ ہزار	ٹریپولی، بن غازی	استوائی گنی	۱۰,۸۳۶	۶۰ لاکھ ۶۰ ہزار
تیونس	تونس	۳۸,۳۰۰	۴۵ لاکھ ۴۵ ہزار	تونس	لیبریا	۹۰,۴۲۳	۶۲ لاکھ ۶۲ ہزار
الجزائر	الجزائر	۹۱۹,۲۵۳	۲۳ لاکھ ۲۳ ہزار	الجزائر، اوران	جمہوریہ مرکزی افریقہ	۲۳۹,۳۸۲	۱۳ لاکھ ۲۰ ہزار
مراکش	رباط	۱۰۴,۵۸۳	۸ لاکھ ۸ لاکھ	کیسابلانکا، بتیجر	جمہوریہ کانگو (برازیل)	۱۰۴,۵۶۶	۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار
سوڈان	خسرتوم	۹۶۴,۵۰۰	۳ لاکھ ۳ لاکھ	پورٹ سوڈان	جمہوریہ کانگو (ایلوپولڈ)	۹۰۲,۲۴۲	۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار
ایگپٹ	حدس، یاہا	۳۵۴,۱۲۸	۲ لاکھ ۲ لاکھ	حدس	انگولا	۳۸۱,۳۵۱	۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار
چاڈ	فورٹ لای	۳۵۵,۵۹۸	۲ لاکھ ۲ لاکھ	-	روسا	۲۹۰,۳۳۰	۳۰ لاکھ ۳۰ ہزار
نائیجر	نیامے	۵۰۱,۹۳۰	۳۲ لاکھ ۳۲ لاکھ	-	جمہوریہ مالی	۲۶۲,۵۰۰	۲۳ لاکھ ۵۰ ہزار
مالی	یاگو	۵۸۶,۹۳۲	۴ لاکھ ۴ لاکھ	-	کینیا	۲۱۹,۴۳۰	۹۳ لاکھ ۹۳ ہزار
صومالی لینڈ	جوئی	۸۳,۹۶۲	۸۰ ہزار ۸۰ ہزار	جوئی	یوگنڈا	۸۰,۳۰۱	۵۰ لاکھ ۵۰ ہزار
					روانڈا	۱۰۱,۶۹۹	۳۰ لاکھ ۳۰ ہزار
					برونڈی	۱۰۰,۴۴۴	۲۰ لاکھ ۲۰ ہزار
					تنزانیہ	۳۲۳,۴۲۶	۱۰ لاکھ ۱۰ ہزار
					ملاوی	۲۶۸,۸۴۹	۳۹ لاکھ ۳۹ ہزار

## مغربی افریقہ

مملکت کا نام	دار الحکومت	رقبہ (مربع میل)	آبادی	بندگاہ	میں	پاؤنڈ	پاؤنڈ
سپانوی گھرا	الایوم	۱۰۰,۳۲۲	۲۲ لاکھ ۲۲ لاکھ	الایوم	جنوب مغربی افریقہ	۳۱۴,۴۳۵	۲۱ لاکھ ۲۱ ہزار
موزی طانیہ	نواک شات	۳۵۸,۱۸۵	۱۰ لاکھ ۱۰ لاکھ	نواک شات	بوسوانا (بوتسوانا)	۲۲۳,۰۰۰	۲۹ لاکھ ۲۹ ہزار
سینیگال	ڈاکار	۷۰,۳۰۱	۳ لاکھ ۳ لاکھ	ڈاکار	ریپوبلیک سائبری	۱۰۵,۰۳۳	۲۲ لاکھ ۲۲ ہزار
گیمبیا	بانجور	۴,۰۳۳	۳ لاکھ ۳ لاکھ	بانجور	موزمبیق	۳۹۴,۴۳۱	۲۹ لاکھ ۲۹ ہزار
پرتگالی گنی	باؤ	۱۳,۹۳۸	۲۵ لاکھ ۲۵ لاکھ	-	جمہوریہ بنگالی	۲۳۱,۰۰۳	۹۱ لاکھ ۹۱ ہزار
گنی	کوناکری	۹۶,۵۲۵	۳۰ لاکھ ۳۰ لاکھ	کوناکری	لیسوتھو (لیسوتھو)	۱۱,۴۱۶	۱۱ لاکھ ۱۱ ہزار
سیرالیون	فری ٹاؤن	۲۰,۹۲۵	۲۲ لاکھ ۲۲ لاکھ	فری ٹاؤن	سورڈی لینڈ	۶۰,۴۰۳	۱۲ لاکھ ۱۲ ہزار
لائبیریا	مزدویا	۳۳,۰۰۰	۱۰ لاکھ ۱۰ لاکھ	مزدویا	جنوبی افریقہ	۳۴۲,۴۳۳	۵۰ لاکھ ۵۰ ہزار
آئیری کورسٹ	عیسی جان	۱۰۸,۳۹۴	۳ لاکھ ۳ لاکھ	عیسی جان	ماریشس (جزیرہ)	۴۲۳	۴ لاکھ ۴ لاکھ
پروڈنٹا	اداکا ڈوگو	۱۰۵,۸۴۱	۴ لاکھ ۴ لاکھ	ٹیبرا	ری پرنس	۹۴۳	۸ لاکھ ۸ لاکھ
گھانا	اکوہ	۹۱,۸۴۳	۴ لاکھ ۴ لاکھ	-	کومور	۸۴۹	۲ لاکھ ۲ لاکھ
ٹوگو	لوسے	۲۰,۴۳۳	۱۶ لاکھ ۱۶ لاکھ	-	مچیلز	۱۵۴	۴ لاکھ ۴ لاکھ
ٹانزانیہ	پورٹو نوو	۳۲۱,۴۱۱	۲۳ لاکھ ۲۳ لاکھ	-			
نائیجیر	لاگوس	۳۵۶,۹۶۳	۵ لاکھ ۵ لاکھ	لاگوس			

۱۔ لیبیا ۲۔ لیبیا ۳۔ مراکش ۴۔ ماریشیا ۵۔ مالی ۶۔ نائیجر ۷۔ چاڈ ۸۔ نائیجر ۹۔ کیمرون ۱۰۔ سنٹرل افریقہ ۱۱۔ جمہوریہ کانگو ۱۲۔ انگولا ۱۳۔ جنوب مغربی افریقہ  
۱۴۔ بھوٹان لینڈ ۱۵۔ جنوبی افریقہ ۱۶۔ بھوٹان لینڈ ۱۷۔ بھوٹان لینڈ ۱۸۔ موزمبیق ۱۹۔ تنزانیہ ۲۰۔ کینیا ۲۱۔ صومالیہ ۲۲۔ ایگپٹ ۲۳۔ سوڈان ۲۴۔ مصر



# دولت متحدہ افریقہ اور اس کے نامہائے ملک

افریقہ دنیا کا دوسرا بڑا براعظم ہے اس کا رقبہ ایک کروڑ ۸ لاکھ ۵۰ ہزار مربع میل اور آبادی ۳۰ کروڑ ۳۰ لاکھ ہے اس کے شمال میں بحیرہ روم اور شمال مشرق میں بحیرہ لکھم ہیں۔ مشرق اور جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحر اوقیانوس ہے۔ افریقہ میں پہاڑ ہیں، جنگلات زیادہ ہیں جہاں اب بھی بعض پسند قابل آباد ہیں۔ افریقہ کے چار بڑے صحرا ہیں دریائے نیل جو ۴۰۰۰ فرسنگ میں لمبا ہے اس کی ایک شاخ یوگنڈا اور دوسری حبشہ سے نکلتی ہے۔ دریائے نیل بحر دوہنر اور چھ سو میل لمبا ہے یہ سیرالیون کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ دنیا کے سائنس دان دوہنر کو سو میل لمبا ہے۔ افریقہ کی وسطی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ دنیا کے ڈیمبر کو سو میل لمبا ہے یہ جنوبی افریقہ سے نکلتا ہے۔ افریقہ میں زیادہ تر بنجر، سائی، ذرو، عیالان، کوننا اور ساقی قابل ہیں۔

مغربی افریقہ کی خاص پیداوار اس علاقے کے ملکوں کی خاص پیداوار کو کہیں گے، کافہ، کانی، بڑا چاول، مونگ پھلی اور چار دیوڑ ہے، معدنیات میں سونا، لوہا، بکاسٹ اور نیکیٹ اور مینگنز خاص طور پر قابل ذکر ہیں، گنی، سیرالیون، لائبیریا، اور نیجریہ کو کھدائی اور کانیں میں سے گائیں بھی ہیں، نائیجیرا میں لکڑی، پورٹ، ہارٹ اور کورٹ وینڈو بڑے صنعتی مرکز ہیں۔ اس علاقے میں تیل بھی ہے۔

## مغربی افریقہ کی خاص پیداوار

اس علاقے میں کانوسب سے لڑاکا ہے، کینیا میں کچھ ہندوستانی آباد ہیں۔ یوگنڈا، کینیا، اور تنزانیہ میں یورپی لوگ خاصی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اس علاقے کے قبائل پر پتو زبان بولتے ہیں، پیداوار میں عاتقی، کھجور، گندم، جو، اکیس، گنا، تباکو، کوک، کانی، چائے وغیرہ شامل ہے۔ ساحلی علاقوں میں ٹارنا بیل، کبیرا، اور لونگ پیدا کرتے ہیں۔ مغربی ساحل پر پٹرول ملتا ہے۔ شمالی وسطی علاقے میں تانیا اور کوبا لٹ میٹیز وغیرہ دستیاب ہوتے ہیں۔

## وسطی افریقہ کی خاص پیداوار

مغربی افریقہ کی خاص پیداوار اس علاقے کے ملکوں کی خاص پیداوار کو کہیں گے، کافہ، کانی، بڑا چاول، مونگ پھلی اور چار دیوڑ ہے، معدنیات میں سونا، لوہا، بکاسٹ اور نیکیٹ اور مینگنز خاص طور پر قابل ذکر ہیں، گنی، سیرالیون، لائبیریا، اور نیجریہ کو کھدائی اور کانیں میں سے گائیں بھی ہیں، نائیجیرا میں لکڑی، پورٹ، ہارٹ اور کورٹ وینڈو بڑے صنعتی مرکز ہیں۔ اس علاقے میں تیل بھی ہے۔

## جنوبی افریقہ کی خاص پیداوار

پورے براعظم میں اس علاقے کی آب و ہوا نشانی زیادہ اچھی ہے، اس علاقہ معدنی دولت سے مالا مال ہے، خصوصاً سونا، پیرا، چاندی، تانے، اور مینگنز کی کانیں اسی علاقہ میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سامراجی ملکوں کی توجہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ جنوبی افریقہ اور روڈیشیا پر سفید فام اقلیت کی حکمرانی ہے۔ موڈیبیت اور انجولا پرتگالی نوآبادیاں ہیں جو ابھی تک پرتگالی سامراج سے آزادی نہیں مل سکی۔ سیرے کی سب سے بڑی کان کیمبرے میں واقع ہے اور سونے کی سب سے بڑی کان اسی جنوبی افریقہ کے علاقے جو ہمبرگ میں واقع ہے، یہ علاقہ دنیا میں سب سے زیادہ سونا پیدا کرتا ہے۔

اس علاقے کے مغربی اور جنوبی ساحل پر نایل، گنا، کبیرا، اور اندرینی حصوں میں نیکیٹ، گندم، تباکو، چائے اور کپاس پیدا ہوتی ہے۔

چار حصوں کی آبادی - رقبہ اور بندرگاہ و دارالحکومتوں کی تفصیل کچھ یوں بنتی ہے۔

افریقہ ملکوں کی آبادی رقبہ اور پیداوار کا جائزہ لینے کے لئے ہم اسے چار حصوں، شمال، مغربی، وسطی، اور جنوبی میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

## شمالی افریقہ کی خاص پیداوار

شمالی افریقہ کے ملکوں میں گندم، جو، کپاس، تباکو، پھل، ذیتون اور سنکڑ پیدا ہوتے ہیں۔ صحرائی علاقوں میں کچھ پیدا ہوتی ہے، مگر اور ڈران اعلیٰ قسم کی کپاس پیدا کرنے والے ملکوں میں شامل ہیں۔ مصر، لیبیا، اور الجزائر کی معدنی دولت میں تیل سب سے اہم ہے تیل کی آمدنی کی وجہ سے ان ملکوں میں صنعتی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے۔ دریائے نیل کی وادی اور شمالی ساحلی علاقوں کے علاوہ سارا شمالی افریقہ رقبہ جستانی ہے۔ اس علاقے کے بڑے شہر ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ صحرا میں خادہ بدوش قبائل آباد ہیں۔ ہنزوزک وجہ سے مصر کو خصوصی

# سامراج کو افریقہ سے

## سوشلزم کے فتح، اور

افریقہ میں ۴۱ حکومتیں آزاد اور خود مختار ہیں۔ یہ پورے براعظم کے ۹۰ فیصد رقبے کے برابر ہے۔ کی آبادی ۲۲

## ظہیر اخ

افریقہ، یورپ اور امریکہ کے لئے کئی صدیوں تک غلاموں کی سب سے بڑی نشانہ اور دنیا بھر میں جانوروں کی سب سے زیادہ مست خدمت کار تھا کہ نے کی منڈی ملے۔ انسانی تاریخ میں اس براعظم کو ایشیا کے بھی زیادہ پہاڑہ مظلوم اور غیر انسانی سلوک کا سزاوارتھا تھا ہے۔ لیکن یورپ اور امریکہ کی تین صدی کی غلامی کے بعد اب افریقہ، اس طرح پیدا ہوا ہے کہ اس نے مافی کی عورتوں کی تلافی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ امریکی صحافی جان گھنٹرنے، جو اپنے سلسلہ تصانیف "ان سائڈ" کے لئے بہت مشہور ہیں ۱۹۵۵ میں ان سائڈ افریقہ میں لکھا تھا۔ ایشیا کا بڑا حق تو ہاتھ سے گیا، لیکن ابھی افریقہ باقی ہے۔ اس موثنیٰ اعلان کو ابھی ہشتین چند سال گزرے تھے کہ استعمار کی کڑیاں ٹوٹنے لگیں اور سلطنت نے دیکھ لیا کہ افریقہ بھی اس طرح جا رہا ہے۔



نمیا بوا کے گوریلا جنگی



# بھی ان کا نام بڑے گا

## فریشیاک فتح ہے

نے کے ریاستوں کا مجموعے ذنب دکر ڈھ ۰ لاکھ کلومیٹر  
نے آزاد ریاستوں کے لئے آبادی ۰ مکر ڈھ ہے جو کل افریقی  
فیصد ہے۔

### توبید رک

افریقہ میں آزادی کی فصل نو بہار کا پہلا نقیب ایشیا  
ہے۔ لیبیا کی خود مختار حکومت ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کے  
بعد مراکش، آلبانیہ نے ۱۹۵۶ء میں آزادی حاصل کی۔ دوسری  
جنگ عظیم کے بعد بے پنے گھانا نے مارچ ۱۹۵۰ء میں آزادی  
حاصل کی تھی۔ ڈیڑھ سال بعد گنی نے اس کی تقلید کی۔ لیکن  
بہار آزادی کا حقیقی سہلاب تو ۱۹۶۰ء میں آیا۔ اس تاریخی  
افریقی سال میں افریقہ کی نو آزاد ریاستوں میں مشرق وسطیٰ  
ہو جو ریاستیں پہلے سے آزاد تھیں ان کے نام یہ ہیں جسر، گھانا  
گنی، لائبریا، لیبیا، مراکش، سوڈان، تونس، مغربی  
جمہوریہ، اتھی آزادیوں کے قیام سے افریقہ کے نقشے پر  
فرانسیس اور انجمن کے استعمار کی نشانیاں مٹ گئیں اور برطانوی  
استعمار کی چلیں بھی بٹ گئیں۔



سوویت یونین نے ۱۹۶۰ء میں اقوام متحدہ کے قرارداد استعمار  
کی مخالفت اور محکم ملکوں کی آزادی کی حمایت کا موقف تسلیم  
کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۶۱ء میں سیرالیون نے آزادی حاصل کی۔ ۱۹۶۲ء  
میں الجبرائز، لائبنڈا، رائڈر، اندریو، ونڈی نے اور ۱۹۶۳ء میں  
نمیبیا نے ۶۲ء میں ٹانگانیکا کے اتحاد کر کے ایک نئی حکومت  
تجزیائی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۶۳ء ہی میں کینیا نے آزادی حاصل  
کی، ۱۹۶۴ء میں زمبیا اور ملاوی اور ۱۹۶۵ء میں گیمبیا اور بربیا  
بوسانہ جو پہلے بچوانڈ لینڈ تھا۔ اندریو، سونڈ لینڈ نے بھی  
۱۹۶۶ء میں آزادی کا اعلان کر لیا۔ ۱۹۶۸ء میں سوازی لینڈ اور  
استوائی گنی نے بھی غلامی کا جو آثار مینیکا۔ اندریو افریقہ میں  
۱۱ء حکومتیں آزاد اور خود مختار ہیں۔ ان کی ریاستوں کا مجموعی  
رقبہ دو کروڑ ۰ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ یہ پورے براعظم کے ۹۰  
فیصد رقبہ کے برابر ہے۔ ان آزاد ریاستوں کی کل آبادی ۳۰  
کروڑ ہے۔ جو کل افریقہ کی آبادی ۹۲۴ فیصد ہے۔

لیکن افریقہ کی پیشانی سے غلامی کے داغ ابھی سب کے  
سب نہیں مٹے ہیں۔ جنوب میں انگولا اور موزمبیق، پرتگال  
کے سمندری صوبوں کی حیثیت سے اب تک برقرار ہیں جو  
افریقہ نے بوسیا (جنوب مغربی افریقہ) پر غیر قانونی تسلط قائم  
کر رکھا ہے، اور جیٹیا میں سید نام اقلیت نے برطانیہ کے یک طرفہ  
آزادی حاصل کر کے یہاں کی اکثریتی آبادی پر پائیدار تسلط قائم کر رکھا  
ہے۔ یہ پرتگال نوآبادیاں، اوسٹریلیا، نیوزی لینڈ پر قائم ہونے والی ریاستیں  
ہیں جن کے عوام انتہائی پر پول فٹنایں سانس لے رہے ہیں۔ اس  
کے باوجود ان کی جدوجہد آزادی کے لئے جاری ہے،

افریقہ میں نوآبادیاتی استعمار کا نظام ابھی تیزی سے ریزہ  
ریزہ کیوں کر ٹوٹ رہا ہے اور وہ کون سے عوامل ہیں جو افریقی عوام  
کے حق میں اپنے آقاؤں پر مجاث پانے میں خاص طور پر فیصلہ کن  
ثابت ہوئے؟ ۱۹۴۵ء کے بعد دراصل سب سے مؤثر اور  
فیصلہ کن طاقت نہ صرف افریقہ بلکہ ساری دنیا کے لئے جنگ  
عظیم میں سوویت یونین کی فتح ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی افریقہ  
سطح پر شلٹ نظام کو فروغ ہے۔ نتیجہ یہ کہ جو قومیں ایشیا اور  
افریقہ میں قومی آزادی کی خاطر برسرِ بیکار تھیں، وہ سب شکست  
مالک کی امداد پر بھروسہ کرنے کے قابل ہو گئیں، یہی امداد افریقیوں کی  
جدوجہد آزادی میں مرث دونوں ثابت ہوئی۔

### خود اعتمادی کی راہ پر

آزاد افریقہ کی عمر ابھی صرف دس سال ہے لیکن اس مختصر  
دور میں دنا ہونے والی تبدیلیاں غیر معمولی ہیں۔ ان تبدیلیوں  
میں سب سے زیادہ اہم عوام کا انداز فکر ہے۔ جو اپنی قسمت  
کے خود مالک بن رہے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں ایک افریقی ریاست  
کے بڑے استیشن پر دو لوگوں ایک دوسرے کے پوچھ رہے  
تھے۔ وہ کب ملک دوبارہ تعمیر کریں گے؟ وہ کب ہمیں ایک

# افریقی اقوام کا نعرہ

## سامراج کے اقتصادی

### گورکھ دھندے سے

### باہر نکلو

پرائیڈ اٹھ کھیر کر کے دیں گے۔ ان کا اشارہ غیر ملکی امداد کی پھینچوں  
کی طرف تھا، کیونکہ آزادی کے ابتدائی زمانے میں افریقیوں کے یہاں  
یہ تصور بالعموم پایا جاتا تھا کہ کوئی باہر سے آکر نہیں یہ سب کچھ  
بنادے گا۔ لیکن جلد ہی یہ تمام خوش فہمیاں اپنی موت آپ مر گئیں  
اور افریقی عوام نے اس حقیقت کو بالبال کہ صرف اپنے ہاتھ سے  
اور اپنے دوستوں کی مدد اور سہارے سے وہ اپنے لئے بہترین  
مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ یہی پالیسی افریقی ممالک کو شلڈم  
کے صحیح راستے پر گامزن کر کے کامیاب بنی ہے۔

### لینن کا مشورہ۔ محنت اور صرف محنت

تخلیق اٹھ کھیر کر کے محنت ہی نہیں طریقہ کار سے  
شنا سالی بھی ضروری ہوتی ہے۔ افریقیوں نے لینن کے  
مشہور نعرے مطالعہ۔ مطالعہ۔ مطالعہ۔ کو نصیب لینین  
نالید ہے۔ معاشیات اور معاشیات کے ابتدائی اوشاوی اسکول  
کھٹے پٹے ہیں۔ جن میں گنی کا پالیٹک انٹرنیٹ ٹوٹ پال ڈک ہے۔  
یہ انٹرنیٹ ہر سال نہ صرف گنی بلکہ مشرقی افریقہ کے ممالک  
کے سینکڑوں ماہرین کی تربیت کرتا ہے۔ آزادی کے ابتدائی  
برسوں میں مشیر ٹیک، وزارتیں اور صنعتیں سفید اقوام کے  
ہر دل کی درد سے چلائی جاتی تھیں۔ اب اس میں بھی تبدیلی آ رہی  
ہے۔ اور نو آزاد ریاستوں میں افریقیت۔ جڑ پکڑتی جا رہی ہے۔  
آج افریقی اقوام کا نعرہ ہے، سامراج کے اقتصادی گورکھ  
دھندے سے باہر نکلو۔ شلڈم سہارے دارندے افریقہ کو  
سخت نامید کیا ہے۔ اور اس کو مختلف سیاسی اکائیوں میں  
تقسیم کر دیا جس نے ان کی معاشرتی یکجہد سمست کر دی ہے۔

۱۹۶۲ء میں اقوام متحدہ کے ایک سوس (۱۱۰) ارکان تھے  
ان میں نہیں (۳۲) افریقی تھے یعنی آزاد افریقہ تقریباً ۲۸ فیصد  
دولوں کا مالک تھا۔ لیکن ان افریقی حکومتوں نے بھی اتحاد کا  
بھرت نہیں دیا۔ شلڈم پندرہویں جنرل اسمبلی کی کانفرنس میں



انہوں نے تمام معاملات میں صرف ۴۰-۲۹ فیصد انویسٹمنٹ پر اتفاق کیا۔  
 اظہار کیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ اپنا نقطہ نظر اقوام متحدہ میں مشترکہ طور پر  
 پیش نہ کر سکے۔ جس ۱۲ انداز اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ  
 کانفرنس میں ایک افریقی ملک کے نمائندے کے ڈانسن پر پینچے  
 ہی ایل تیزی کے خالی ہو گیا۔ جسے افریقہ کیلئے نمائندوں نے شدت  
 سے محسوس کیا۔

مئی ۱۹۶۳ء میں عدیس ابا بایا کی سطح کی کانفرنس میں  
 افریقی اتحاد کی سمت ایک فیصلہ کن قدم اٹھایا گیا۔ اس  
 موقع پر ایک تنظیم پرانے افریقی اتحاد کی بنیاد رکھی گئی۔ جس  
 کے منشور کے نکات سے افریقی ریاستوں میں اتحاد یکجا نکتہ  
 استحکام۔ اور ان کی بقا کے لئے استعماریت کے خلاف  
 اشتراک عمل اور متحدہ دفاعی اقدامات، اقتصادی تعاون میں اضافہ  
 کی سہ۔

عدیس ابا بایا فیصلہ جو واضح انداز میں شہنشاہیت کے  
 خلاف رد کار رکھتا تھا۔ بینقمتی سے عمل میں ناکام رہا۔ چند ممالک  
 کے موقع پرستانہ طرز عمل نے مشترکہ کوششوں کو ناممکن بنا دیا،  
 خصوصاً ملائی اور سوڈان کی حکومتوں کا جنوبی افریقہ میں بڑھتا ہوا  
 میل ملاپ متعلقہ کے فیصلوں کے خلاف۔ افریقیوں کی ناراضگی کا  
 سبب بنا۔

مذکورہ تنظیم افریقی ممالک کے اندرونی اختلافات کو خود  
 بخود دور نہیں کر سکتی۔ لیکن اس تنظیم نے باہمی اعتماد کی نقصا  
 پیدا کر دی ہے۔ اور بہت سارے سرحدی جھگڑوں کو طے کرنے  
 میں اس کے مدد ملے۔ مثلاً مراکش اور الجزائر، کینیا اور صومالیہ۔  
 اور دوسرے ممالک کے اختلافات اس تنظیم کے تحت طے ہوئے۔  
 اس تنظیم کے تحت بہت ساری علاقائی تنظیمیں بھی قائم ہوئیں۔  
 مواصلات میں توسیع کے سلسلے میں باہمی امداد کی خاطر معاہدے  
 بھی ہوئے اور ان سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تنظیم  
 نے افریقی سنگٹام کو بین الاقوامی پیمانے پر خصوصاً اقوام متحدہ میں

بہت تعزیت پہنچائی۔

افریقہ کو اپنے ماضی کے نوآبادیاتی غلامی کے اثرات ملے  
 ہیں، اس براعظم کی تقریباً نصف سے زیادہ آبادی کی سالانہ نفی  
 سو ڈالر کے بھی کم ہے۔ ۱۳ سال کی تک عمر کے صرف  
 ۳۲ فیصد بچے اسکول جلتے ہیں۔ اور ۱۵ سے ۱۹ سال تک کے  
 صرف ۵ فیصد بچے (۱۱ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس طرح  
 آج بھی اس کی اتنی فیصد سے زیادہ آبادی ناخواندہ ہے۔

۱۔ اقتصادی اور ثقافتی پس ماندگی کس طرح دور ہوگی؟ افریقی  
 ممالک اپنے بچوں سے سوجھی سمجھ رہے ہیں کہ صرف سوشلزم کا  
 فروغ ان کے لئے حقیقی اقتصادی ترقی کی راہیں کھول سکتا ہے اور  
 شہنشاہیت کے بد اثرات سے انہیں آزاد کر سکتا ہے۔

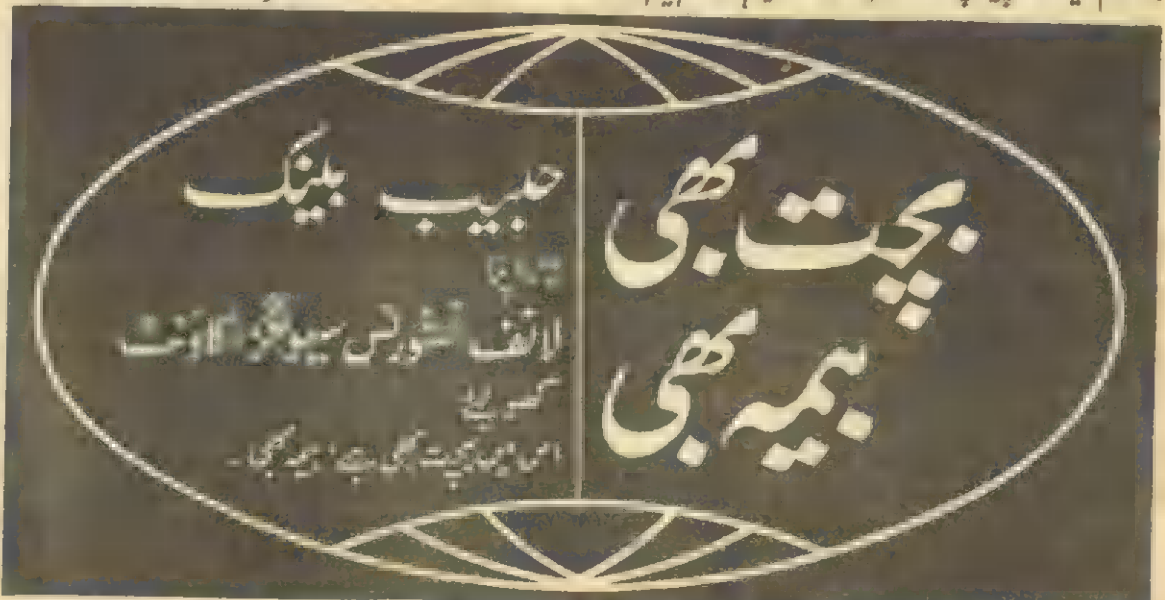
### آدمی آدمی کا استحصال نہ کرے

برزنیف کے۔ انقلابیوں نے لینن کی مدد سے  
 تقریباً ہر کچے تھے پورے گئے۔ جدوجہد زیادہ عرصے تک محض قوی  
 نہیں رہی۔ ۱۔ اقتصادی آزادی جسے بنیادی اہمیت حاصل ہے،  
 زیادہ سے زیادہ افریقی اہمیت حاصل کر رہی ہے۔ نئے ممالک  
 ترقی کے ایسے راستوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ جو سرمایہ داری  
 پر مبنی نہ ہوں اور جن میں آدمی کے ذریعہ آدمی کا استحصال نہ ہو۔  
 بعض جگہوں پر سرمایہ داری کے لئے ترقی پسند قوتوں کو ترک  
 پہنچانے کی کوشش کی ہے لیکن مجموعی طور پر اس جدوجہد کا  
 توازن سرمایہ دارانہ نظام کے حق میں نہیں، حامیوں میں خلیق  
 کا جدوجہد و صاف طور پر انہیں بازو کی طرف مائل ہے۔ سوشلزم کی راہ  
 پر کامزن افریقی ممالک کے گردہ میں آج متحدہ عرب جمہوریہ الجزائر  
 گنی، تنزانیہ، کانگو برازواویل، سوڈان، صومالیہ اور دوسرے  
 کئی ممالک شامل ہیں۔ اس عرصہ میں ترقی پسند ممالک کی تعداد  
 میں کمی اضافہ نہیں ہوا۔

رازیوں کے خلاف رجحان پسندوں کی ناکام بغاوت اور  
 گنی میں پڑھ لکھ کے پیچھے ہوئے کر رہے فوجیوں کا مضبوط اس بات  
 کی علامت ہیں کہ ان ملکوں میں عوامی طاقت مضبوط ہے اور  
 سامراج کے حامی عناصر جو اسکل بے دست دیا ہیں۔ کچھ  
 دس برس میں افریقی ملکوں میں سرمایہ دارانہ معیشت کے  
 بغیر اور سوشلسٹ نظام معیشت کے برعکس ہوئی۔ کچھ  
 افریقی عوام کی سرچ میں بنیادی تبدیلی کا ایک واضح اظہار ہے۔  
 افریقی عوام اب مارکس اور اینجلز کے پیش کئے ہوئے معاشی  
 نظریے کو جدید نوآبادیاتی استحصال اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت  
 کے خلاف ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ عظیم  
 افریقہ میں سوشلزم اب صرف ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک ایسی  
 حقیقت بن رہا ہے جس کو اپنا کار افریقی عوام اپنی صدیوں کی  
 معاشی پس ماندگی کے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کانگو نے دیگر  
 پائلٹ نے جو کانگو کی برسرِ اقتدار سیاسی جماعت ہے، اعلان  
 کیا ہے کہ وہ مارکسزم اور لینن ازم کو بطور ایک نظریے کے  
 اپنا رہی ہے۔

### قومی ملکیت کی حوصلہ افزائی

افریقہ کے وہ ملک جنہوں نے سوشلزم کو ایک معاشی  
 نظام کے طور پر قبول کر لیا ہے، ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ  
 پرائیویٹ سیکٹر کوئے اقتصادی نظام کی بنیاد نہ بنے دیں پرائیویٹ  
 سیکٹر کو مکمل طور پر ختم کر دینا افریقہ کے نوآبادیاتی ملکوں کی معیشت  
 کے لئے موجودہ حالات میں فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسی  
 لئے افریقی ملکوں کے رہنما پرائیویٹ سیکٹر کو مکمل طور پر ختم کرنے  
 کی بجائے پبلک کاپریشن سیکٹر کو زیادہ مضبوط اور مؤثر بنانے کی  
 کوشش کر رہے ہیں۔ مصر میں کل صنعت کا ۵۵ فیصد حصہ  
 پبلک سیکٹر کے تحت ہے اس کے علاوہ الجزائر، سوڈان، گنی  
 اور دوسرے ملکوں میں بھی پبلک سیکٹر تیزی سے فروغ پا رہا ہے





# دریا کے کنارے

یوگوسلاویہ کا  
ایک جدید افسانہ  
پتیرمالیسیویک



پہلے کو دینے والی رات میں دونوں میں ٹکسن گئی۔ چھینا چھینا اور تپا دھپا میں کسی گھاس ٹوٹ کر بڑھ بیڑہ ہو گئے۔ اس بات سے کہ کسی پریشان نہ ہو کہ وہ اس طرح کی زندگی پسند کرتی تھی۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں محض ایک دوسرے کے بے پردہ اور نجی زندگی کا لباس بنے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک دوسرے سے قریب رہنے کا بس یہی ایک تعلق تھا۔

ایک رات، دونوں نے خوب شراب پی کر نشے کی زد میں رہ کر دینک اپنی سنگتی ہوئی سگریٹ سے اس کے سینے کے بل جھاکر لطف اندوز ہوتی رہی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا ہوا دیکھتا رہا۔ ہل بیٹنے کی بجائے اس کے منتظر میں گھسٹی رہی، وہ اس کی آنکھوں میں چھوٹی چھوٹی چٹکائی کے دار سنہ چپے ہوئے دیکھتا رہا۔ کبھی جگہ سے اس کے سینے کا گوشہ متزلزل کیا۔ مگر اس نے کچھ نہ کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد وہ جس انداز میں دیوانہ وار بے نظیر لگائے گی اسے برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس رات، اس کے ہاتھ جو کچھ آیا سلامت نہ بچا، کر کے کی ہر چیز توڑ پھوڑ کے برابر کر دی۔ اس کے بعد اس کا موٹو بیابانک ٹراؤٹس گار جو کچھ بلی کی ہونڈا باندی سے لگاؤ گروں کے چہرے سے بھیک رہے تھے۔ آسمان کا رنگ بھورا تھا، بالکل ان مکانوں کی طرح، جدھر سے وہ بھی ابھی گذر رہا تھا، وہ اپنے ایک دوست کی تلاش میں محل کھڑا ہوا تھا جوتسی جیسا گلاسوں کی آواز کا رسا تھا۔ دونوں نے کئی بار کچھ کی چوڑیوں کی طرح رنگین شاییں اکٹھے کر لیں تھیں۔

وہ پہلی بار اسے باریں ملی تھی۔ بار بار وہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا وہ دوسری میز پر چند کھوکھلے ساتھ بیٹھی ہوئی شراب پی رہی تھی۔ کچھ بعد وہ سب ایک ہی میز پر لکھنے ہو گئے۔ اس نے کنگھی سے اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارا دیا تھا۔ وہ اس کی حرکت پر ہلے سے مسکرائی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو تباہ میں رکھنے کی پوری کوشش کی۔ مگر جانے کس طرح وہ بے

اکثر اسی انداز میں گھنٹوں بیٹھا تھا، اس کے فلوایو جیے بازو بھی نہیں تھکے تھے۔ وہ دینک کی ٹوٹ ہی سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ باد چھان بہت تنگ تھا اور جلد ہی سگریٹ کے دھوئیں سے مگر، سگریٹ کے دھوئیں سے آنکھیں جلنے لگیں۔ اسے یہ بات پسند تھی، عام طور پر جب وہ سگریٹ نوشی اور ایک ٹک گھومتے رہنے سے تنگ جاتا تو اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر بند ہوجاتیں۔ وہ بڑے سببانک اور وحشت انگیز خواب دیکھتا۔ وہ اپنی پہلی زندگی کے بارے میں خواب دیکھتا۔ اس نے اپنی پہلی زندگی کا بھی نام دیا تھا جب اس کے سر میں زناٹے دار گھومتے نہیں تھکے تھے اور وہ لگتی میں دو کی ٹیسس محسوس ہوتی تھیں ایسے خواب دیکھنے کے جب وہ جاگتا تو پہلے سے زیادہ تنگ محسوس کرتا، مگر وہ سر دینک کی تیار لیں میں مصروف ہوجاتا۔

اس کی جی بھی تھی، وہ اکثر بیشتر اپنے گھر والوں سے ملنے کو ہاند کر کے پل جاتی۔ اور تب موسم خزاں کی باتیں شروع ہوجاتیں، اور وہ کسی پرانی تفریحی مانند غالی ہوجاتا۔ اور اپنے جسم کو حرکت دینے بغیر وقت کے بیشتر لمحات بلا مقصد صرف کر دیتا۔ وہ اس مرتبہ بھی جی گئی تھی، مگر جانے سے قبل اس نے انتہائی غصے سے قسم کھائی تھی کہ اب وہ زیادہ دیر کسی ایسے مرد کے ساتھ نہیں رہے گی جس میں کوئی بھی بات ہی نہیں۔ اس معاملے میں اسے کوئی زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ ایسے ڈرامے اس کی زندگی میں اتنے بار سچے ہو چکے تھے کہ اب اس میں کوئی جاذبیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ابھی اس ڈرامے کے کئی موڑ باقی ہیں۔ ایک بار وہ اسی طرح سے چلی گئی تھی اور بڑے لمبے عرصے تک واپس نہیں آئی۔ اس مرتبہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں نہیں گئی، بلکہ ایک تاج کے ساتھ رہ رہی تھی،

”آف پہاڑ کی مانند قوی ہیں اور سخت تھا۔“

اس نے بعد میں بڑی دھڑائی سے ہنسنے ہوئے اسے بتایا۔ ایک

وہ جب گھر پہنچا تو شراب اور زندگی سے ایک بار پھر بیزار تھا۔ اس کی نیم پختہ جو پٹری دے دینے کے تھے۔ اب وہ ایک طویل مدت کے لئے اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ جو پٹری کی حالت بھی شک نہ تھی۔ دیواروں کا پلاسٹر جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ قدموں کی دھماکے سے فرش پیاؤ کی ناہمواری سطح کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ایک بڑی قریب کی آمد سے ایک دہائی قبل ان کا بلن تھا۔ سامنے والے مکان میں رہنے والے کٹھکٹھنے اس رات بٹھا تھا۔ کرکھا تھا۔ وہ صاف ستھری پونینارم پیسے غلطی میں ابھی طرح تیل چیرا ہی تھا۔ اس کے چاروں طرف نہایت تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ہر شخص باؤ سے بڑی محنت میں شراب پینے کے لئے آتا، وہ انہیں بے کراؤٹرنگ جاتا اور پھر ان کے لئے میر کا ایک گلاس خریدتا۔ وہ یہ معرکے کا کام انعام کی لالچ میں کرتا تھا۔ اس سے اس کو بھی خاصی آمدنی تھی۔ وہ باؤں آئے والے ہر شخص کو تباہ تھا کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنے کی فکر میں ہے۔ ہر شخص اس کے منصوبے پر اپنی پسندیدگی کے اظہار میں مبالغے سے کام لے رہا تھا۔ اس قریب کے قریب پر بچنے والے لایڈ کھانوں کی خوشبو سے فضا بوجھل ہو رہی تھی۔ اسے بھوک نہیں تھی، اور نہ کھانوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے بستر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک دھماکے کے نیچے تھا، آنکھیں چھت کی کڑیوں میں ابھی ہوئی تھیں، وہ



# ہرمضرات کی بادشیں شریع ہوجاتیں اور کسی ہراتی قبر کی مانت خال ہوجاتی

قابو ہو گیا۔ بڑی دیر تک وہ دونوں رقص و محو میں رقص کرتے رہے۔ دوسرے لوگ چیتھ چلتے گیت گاتے، وہ دیکھ کے کناہے ہاتھ کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ رقص کے دوران اس نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ لیکن تمہارے ساتھ چلنے سے پہلے، میں اس ڈانچے کو تیار دینا چاہتی ہوں جس سے میں بے پناہ محبت کرتی ہوں۔"

اس کے بعد وہ دونوں گھر آئے۔ اسکی چھاتیوں کی خود ملی گولائی پر وہ ٹو ہو گیا۔ اسے اپنے منہ میں دانتوں سے بڑبڑاتے قابو رکھنا پڑا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس نے بڑی زری سے اس کے مشعل نشان جذبات پر غصہ نہ ہانی کے چینیے اڑتے ہوئے کہا۔ "اکیڑو۔ اس نے بڑی بے جا دل کے اپنے آپ کو بستر گرا دیا۔ اس کے سر کے قریب گڑھے ہوئے آٹے کا ڈھیر جمع تھا۔ پانچ دنوں ایک دوسرے کے قریب قریب لیٹ گئے۔ بستر تنگ تھا۔ اس کے سخت اور بے چین کر دینے والے جسم کے لمس سے وہ جاگتا رہا۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ دونوں جاگ رہے تھے، مگر فریض کی سچا بیلے دنگ درد من کی دیواریں، پورا گھر نشے میں مست جاگ رہا تھا، پھر دھیرے دھیرے ان سب پر نیند آمدہ روشنی کا غلبہ ڈھٹا گیا، خاموشی ڈھنسی گئی اور پھر سب سو گئے، اندکی میں جسم تیرتے رہے۔

ہو گئی۔ خبر میں بہت دنوں تک وہ اس بات سے پریشان رہی کہ جب وہ لہ چلتی تو اس پر چاروں طرف سے ڈباؤ ڈالا جاتا یہاں تک کہ اسکی سانسیں الجھے، نگیٹیں، مگر اس نے بہت نہ ہانکی، اور مغرورانہ انداز کے ساتھ اس عورت کو تلاش کرتی رہی، اور بالآخر اسکی ملاقات، شہر کی اس انیس خاتون سے ہو گئی، بیچ نام تھا۔ بڑوں جیگہ گاہ تھا۔ اندر گھسنے کو کوشش میں سرور کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اسے بڑی نفرت اور حقارت سے بڑوں سے باہر کر دیا۔ عی۔ جب شہر کی سڑکوں پر پہلے ہوئے ملتے ہوئے ہو گئے اور بڑی بڑی خوبصورت کھانوں کے رنگین قہقہے روشن ہوئے تو وہ اس عورت کے گھر پہنچ گئی۔ اسے اندر جانے نہ دیا، مگر وہ ڈٹی رہی، اور آخر کار اس کی منہ کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنا پڑا۔ بڑے خد کہ پر قمار دار معزز خاتون بڑی تکنت سے سرگوشی پر ہو کر رہی تھی۔ اور بے سبب چیخ و پکار رہی تھی۔

## اس کی پوری زندگی پہلی زندگی کی آرزو میں ایک چیخ بن کر رہ گئی تھی

اسے پہنچنے کے لئے نفیس لباس دیا گیا۔ اور واپسی کے لئے کوڑیاں بھی پہلے پہل تو مروت بہت ناراض ہوا۔ مگر اس کے بعد ایک دو نرم ہو گیا۔ اور اسے کرید کرید کر وہاں کی تفصیلات پوچھتا رہا۔ اس کے بعد وہ بار بار ہو گئی۔ بیاری میں اسے تکلیف کا کوئی احساس تک نہ ہوا۔ وہ یہ بھی فراموش کر چکی تھی کہ بڑے شہر میں وہ سیاہ روختی چہرے والے قتل ساز کے ساتھ سوئی تھی۔

وہ شہر میں گھومنے کے بعد ایک بار پھر وہیں لوٹ آئی تھی۔ اس بات پر وہ بے حد خوش تھا۔ وہ بہت عرصے سے اپنے جذبات میں یکسانیت محسوس کر رہا تھا۔ وہ کسی ایسی بات کا متوقع تھا۔ جس سے اس کے اندر کوئی تبدیلی رونما ہو۔ اس کے اچانک آجانے سے اس کے اندر تبدیلی محسوس ہوئی۔ اس کے سر میں دوبارہ رنٹاٹے مار گھسنے لگے۔ پہلے اس نے بے حد کڑوٹھوڑ کر بار بار کہا۔ اس کے بعد اس نے بلب کو ٹوڑ دیا۔ جس کی چمک اس کی آنکھوں کو ناگوار گذر رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ شہر میں پھرتی ہوئی۔ بلب کے اندر سے سرخ اور پیلے رنگ کی لپٹا پاتی ہوئی زبانیں اس نے انتہائی طیش میں اس کے بالوں کو مٹی میں بھر کر جھپٹا ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہاں تمہاری زندگی کتنی بے مقصد ہے۔" وہ بالکل خاموش رہی۔ بہت کی مانند ساکت و مامد تکلیف کے ہر احساس سے خالی اندر دیکھ کے کہ اسے جھپٹا رہی تھی۔ مگر اس بار جھپٹا رہی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ٹوٹے ہوئے

بلب کی روشنی میں اس کے حلق سے بے ہنگم اور بے معنی آواز نکلی۔ وہ بے آواز چلتی ہوئی، ٹوٹے ہوئے دھواڑے سے باہر نکل گئی۔ وہ اسی طرح چپ چاپ، خاموش اور چھپے چھپے قہقہوں سے دریا کے کنارے پہنچ گئی۔ اور کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی، پھر اپنے آپ کو باہر سے گرا دیا۔ اس کے بعد کبھی وہیں نہ آئی۔ وہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا، اس کی آنکھیں چھت کی ٹالیوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ اسے بیکار کر کے کے باہر اس کے قدموں کی ناکوس چاپ سنا دی۔ "ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ یہ اسی کے بے ہنگم تھن کی چاپ ہے۔ وہ شاید بھر آگئی، اس نے اپنے کان آواز پر لگا دیے بس ایک لمحہ کے لئے اس کے جذبات میں جیساں برپا ہوا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر اکٹا ہٹ اور بے زاری کی برچھائی ہوئی آئیں۔ ہمیشہ کی طرح ایک پرانے دانہ ہونے سے دھوکا دیا تھا خوشی اس کے سرور دہ تھی۔ باہر کہیں کسی خرنے کے آواز نہ تھی۔ نہ دھوکے میں داخل ہوئی۔ اور چپکے سے اپنا لباس اتار کر اس کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس کے جسم سے جینی جینی خوشبو کی ناکوس لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ عورت کے جسم کی یہ خوشبو مرد کو کتنا قریب کر دیتی ہے اس کے جذبات بھڑکتے جاتے تھے۔ لاشیں کے سوراخ سے گہرے دھوکے کی لکیریں باہر نکل رہی تھیں۔ اس نے اس کے جسم کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ باہر سے پھر بانگ نہ آیا۔ اور خاموش ہو گیا۔

## بدل اشتراک

### مغرور لہجہ پاکستان کے لئے

سالانہ چندہ ۳۰ روپے  
ششماہی ۱۶ روپے

### مشرقی پاکستان کے لئے

سالانہ چندہ ۳۵ روپے  
ششماہی ۱۸ روپے

## نرخ نامہ اشتہارات

پورا صفحہ ۵۰۰ روپے  
آدھ صفحہ ۲۵۰ روپے  
آخری صفحہ ۱۰۰ روپے  
سرورق کا دوسرا صفحہ ۷۵ روپے  
سرورق کا تیسرا صفحہ ۶۵ روپے



# مسلم لیگ تحریک شناسائی کی ایک کوشش

از - پیام شاہجہان پوری

صفحات - ۴۰

ناشر - انجمن حمایت اسلام - لاہور

یہ تاریخ ان واقعات، رجحانات اور حالات کی ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد سے برصغیر میں ظہور پذیر ہوئے ہیں اور بالآخر پاکستان کے قیام پر منتج ہوئے۔ اس لحاظ سے اس میں نہ صرف مسلم لیگ کی تاریخ سمٹ آئی ہے بلکہ مسلمانوں کی دوسری تحریکوں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ مسلمانوں کی تشاۃ الانبیاء میں سرسید کی کاوشیں سید تحریک کے زیر اثر مسلمان مبلغین کی آمد مسلم لیگ کا قیام خلاف تحریک کا جوش و خروش، کانگریس اور قزاق پرست جماعتوں کے مقابل میں مسلمانوں کی صف بندی، قرارداد پاکستان کی منظوری اس سے پہلے نیشنلسٹ مسلمانوں کے سیاسی اندکار و عقائد کا اجمالی تذکرہ غرض کہ یہ تصنیف پچھلے سو برس کی ایک مکمل تاریخ ہے۔

نظریہ پاکستان کی اصطلاح دینے پر عملی نظر ہے کہ یہ قاضی غلام نے اور ان کے کسی مقصد نے ایسی کوئی اصطلاح، تحریک قیام پاکستان کے دور میں استعمال کی کہ کوئی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان کی مخالفت نہیں کی ہو۔ یہی بڑی شدت کے ساتھ عہد ہی تھی اور مسلم لیگی زعمائے نہیں چاہتے تھے کہ نظریہ کے باب میں کوئی ایسا بات ان کے زبان یا قلم سے نکل جائے جو خود ان کی صفوں میں تقریر کی موجب ہو سکتی تھی، تاہم اگر یہ کہا جائے کہ تحریک پاکستان کا مقصد غیر ملکی اکثریت کی بالادستی سے نجات حاصل کرتے ہوئے مسلم اکثریت کے علاقوں کی ایک جدا گانہ ریاست قائم کرنا تھا۔ یہ نظریہ یقیناً درست ہے۔ اس کے برعکس رجعت پرست عناصر نے اپنے موعظوں کی تائید کیے نظریہ پاکستان کی اصطلاح فی زمانہ نہایت فراخ دلی سے استعمال کی ہے۔ یہاں تک وہ لوگ جو اس تحریک کے ہی سرے سے مخالف تھے۔ اسے نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے محافظ بن گئے ہیں۔ جناب مصنف نے تاریخی واقعات اور شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا عناصر کی نشان دہی کر دی ہے چنانچہ ”اسلام پسند حضرات، جو نہایت کاوش کے ساتھ اپنے پاکستان دشمن“ مافی پر پردہ ڈالنے میں مصروف تھے۔ کتاب کے ان مندرجات سے کسی قدر اوس ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تعیناتی اور محض چند روزہ پلانی تاریخ ہے۔ اسے کوئی سطر جھٹکا سکتا ہے۔

برصغیر کی سیاسی تاریخ، اعلان آزادی کے بعد سے برکثرت لکھی گئی ہے۔ ان میں ہندوستان کے مشہور مورخوں کی بعض قیمتی دستاویزات بھی شامل ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ”انڈیا و فریڈم“ حالیہ دور کی غالباً سب سے اہم اور متنازعہ دستاویز ہے۔

انہوں نے ہمارے یہاں مبسوط اور مستند تاریخی دستاویزات کی تدوین کا کام صحیح معنوں میں اہم تک نہیں ہوا۔ کراچی یونیورسٹی میں بعض ذہی علم حضرات کے اشتراک و تعاون سے مسلم لیگ کے پانے کاغذات کو ردی کے انبار سے نکال کر تحریک پاکستان کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جو یقیناً ایک قابل قدر کام ہے۔ تاہم ہمارے پاس اس وقت جو کتابیں موجود ہیں ان میں جناب پیام شاہجہان پوری کی تالیف بہر حال ایک قابل قدر کوشش ہے۔

## رُت کی پکار

مصنف - احسان ملک

قیمت - پانچ روپے

پبلیشرز - تخلیق مرکز - ۱۲۳ اے

شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

”رُت کی پکار“ جو احسان ملک رحمان ملک کے انسانوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس میں اٹھارہ انسانے شامل ہیں جنہوں نے اور ملک کے اعتبار سے بالعموم کا سیلاب اور اثر انگیز ہیں۔ احمد ندیم قاسمی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”احسان ملک کے انسانے تو عہد تمدنی اور معاشی نظام کی چیر و دستوں کے خلاف فنکارانہ احتجاج ہیں۔ وہ ان انسانوں میں جبر و ستم کی کچھ اس انداز سے نشان دہی کرتے ہیں کہ قاتل کا دم و ظلم اور زیادتی کا سرخ بالیاب ہے بلکہ اس دل میں اس سفاکی سے گھر غلامی حاصل کرنے کا جذبہ بھی بیدار ہو جاتا ہے۔“

کچھ اور آگے چل کر احمد ندیم قاسمی احسان ملک کے فن کے بارے میں بڑے ذکاوت سے انڈیا سے انہماک خیال کرتے ہیں۔ ”ان کا مقصد کہانی کی نفس میں دھندلا کر انہیں پیشتر سرگوشی کرنا چاہتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں سرگوشی بھی نہیں کرتا، قادی کے دل و دماغ میں نفوذ کر جاتا ہے۔“

نکار و حاتم کے ایک حساس ذہن اور بالغ نظر حقد موت ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش پر ایک عام آدمی سے کہیں زیادہ گہری اور تنقیدی نظر رکھتا ہے اور وہ جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اس میں حق و باطل پرستقل کر دیتا ہے۔ نکار کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ اپنے مقصد کو نکال دینا چاہتا ہے کہ اس طرح سے پیش کرتا ہے کہ الفاظ ہی جاگتی زندگی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مقصدیت کے خلاف رجعت پسندوں کا گروہ عرصہ دراز سے صف آرا ہے کہ مقصدی ادب ادب نہیں پروگنڈا ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں ہمیشہ ہی کہا گیا ہے کہ مقصدیت کو برتنے والا صحیح معنوں میں فنکار ہوتا ہے۔ مقصد انسانے کو آلودہ نہیں کرتا، اسے نکھارتا، سنوارتا اور دکھاتا ہے۔



احسان ملک کے انسانے بھی مقصدی انسانے ہیں۔ زندگی سے اتنے قریب کے بعض اوقات ان پر حقیقی اور باعنی زندگی کا لگان ہونے لگتا ہے۔ ان کا فن زندگی سے یوں بھی قریب ہے کہ انہیں اپنے پیشے و رانہ زندگی کی وجہ سے پنجاب کے دیہاتوں میں رہنے کا موقع ملا اور وہی زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ”بھوتی ہوئی یہ نعل لہر سے اٹھی اور شیر سے جوانوں کی چٹکتی شکاری درختوں پر رقص کرنے لگی۔ کئی دنوں تک گاؤں والوں نے وہی رقص دیکھا۔ وہی فصل دھجی، وہی درختیاں دیکھیں وہی شاہیاں دیکھا۔ اور جب ہر چہ شام کی روشنی میں لال کلال ہو رہی تھی۔ ترگاؤں نے اس صبحی شام میں دیکھا کہ شاہیاں، تنک کر گر پڑے۔ جوان تنک کر گر پڑے ہیں۔ درختیاں تنک کر گر پڑی ہیں۔ اور ساری فصل تنک کر گر پڑی ہے۔“

زیر نظر انسانوں میں ”منہی زندگی“ معاشرے کی اہلی اسٹائی اور اس کی جھڑپ تک دم پر گہرا غور ہے۔ اور کہ وادوں کی کھوکھلی زندگی سے پردہ اٹھا کر انہیں ان کے اصل رعب میں پہلے سے کھڑا کر دیا ہے۔ بعض انسانوں میں مصنف نے اپنے کرداروں کی تعمیر میں تفصیلات سے گزرتے ہوئے مختصر اظہار کے ذریعہ ان میں رنگ بھر دیا ہے۔ رُت کی پکار موزوں کے اعتبار سے ایک خاص روانی انسانہ ہے، انسانے کے پورے داخل پر روانی فضا طار کا ہے۔ اسی طرح دوسرے انسانے بھی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی بھر پور کاسی کرتے ہیں۔ مصنف کے انسانی الب دلچسپ سے تمام کے تمام انسانے ذہن پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔

طباعت اور کتابت صاف ستھری اور عمدہ زیب ہے۔





## ہر گھر کی کہانی

کتاب کا نام - مجھ کو چاہیے بہار

مصنف - سید علی

قیمت - ۲ روپے

پبلشرز -

گلارستان پبلشرز پاکستان چوک کراچی۔

ناول "مجھ کو چاہیے بہار" کی ابتدا میں کچھ لوگوں کی رائے درج کی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ ناول تقریباً ہر گھر کی کہانی ہے۔ اور موجودہ معاشرے کے اس انسانک پر ہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جس سے ہماری سماجی زندگی درہم برہم ہوتی جا رہی ہے۔ اس ناول کی کہانی جب اپنے آخری حصے کو پہنچتی ہے تو اس رائے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ واقعاً مصنف کے پیش نظر زندگی کے کچھ تلخ حقائق تھے جسے اس نے اس کتاب کی صورت میں پیش کر دیا۔ آج کی دنیا میں ہر شخص تینے چیروں کی طرف بھاگ رہا ہے، اچھا لباس، عمدہ کوشی اور قیمتی کار اس دور میں حلال اور حرام کا فرق مٹ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات جبکہ ناول کا فن، ٹیکنیک اور موضوع کے اعتبار سے خاصا ترقی کر چکا ہے، مگر پڑھنے والے اور فرسودہ معلوم ہر انکس کی سچائی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ موجودہ سماجی زندگی کا یہ سبک بڑا افسانہ ہے کہ ہر فرد بہتر اور اعلیٰ زندگی کی لاپرواہی زندگی کے بعض اچھے قدروں کو روندنا اور کھینچنا ہو اس پر بھاگ رہا ہے۔ اس ناول کی دوسری بڑی خوبی اس کی ٹیکنیک ہے۔ یہ ٹیکنیک علمی اسکرین اور ناول کی مل جلٹی ٹیکنیک ہے۔ یہ ٹیکنیک پر بہت کم ناول لکھے گئے ہیں۔ مصنف نے اس طرح ناول اور فلم کو ایک دوسرے سے قریب لانے کا ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ کتاب کی طباعت اور کتابت کو گوارا کہا جاسکتا ہے۔

## گلدستہ عقیدت

از - صابر قاریانی

صفحات - ۴۳۹

قیمت - ۴ روپے

لئے کا پتہ - آغوش ادب ۲۲ ڈی روضہ کالونی کراچی ۷  
جی ایس ایس کے زیر انتظام، جو سفید کاغذ پر مضبوط جلد کے ساتھ قارئین کی زندگی کی سب سے بڑی بات کے باب میں شاعر کے قطعات کا مجموعہ ہے، اس میں ہر موصی صاحب جو ہمارے زمانے کے نامور تصنیف گو شاعر ہیں، تقاریر یا مباحث صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ چاشنی اردو زبان کے بھی اچھے شاعروں کی مدخل اس "بھی" کا عملیوں پر پیدا ہوا کہ تقاریر یا مباحث انگریزی اور گجراتی میں بھی شہرت کے ہیں اور روایت ہے کہ نامور صحافی خرمتری مرحوم نے انہیں گجراتی کا صاحب طرز شاعر تسلیم کیا تھا۔

اس مجموعے کو مضمون اس لئے "رعائتی بنیاد" پر مبنی کی ضرورت نہیں کہ اولیٰ تو گلدستہ عقیدت ہے۔ دوسرے مصنف ایک غیر اعلیٰ زبان شاعر ہے۔ بلکہ اپنے شہری محاسن کی بنا پر یہ قطعات پسند کئے جائیں گے۔

تہا سے اک اشارے پر کہاں سے وہ کہاں پہنچے  
کے سارے جہاں کو جو حیرت وہ جہاں پہنچے  
دو بخت کے سجدوں کے لئے تڑپے جو پیشانی  
تو مولا کے کرم سے خود جیوں تک آستان پہنچے

## نامور شاعر کے بارے میں

ایک اداکار ہے، علامہ اس نام کی کسی شہرت کا کوئی وجود نہیں شاہ جہاں نے یہ معنی ایجاد کیا تھا، تاکہ اس کی حرمت سہا پہا کر کے خیر لیں کے قانونی طور پر نہیں ممنوع کرنا ہے۔ اس طرح سفادہ چاروں کو وہ پونڈ، اشلنگ کی سالانہ آمدنی ہوجاتی تھی۔ یہ رسم آج تک جاری ہے، البتہ اب اس مذہبی اصول ہونے والی رستم نیکن شاعر کی کاؤنٹی کونسل کے خزانے میں چلی جاتی ہے۔

## دفا تر میں حادثے

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دفاتر کے مقابلے میں مشروں پر ادھول کو چلنے میں حادثے کا خطرہ زیادہ رہتا ہے، لیکن امریکیں اعداد و شمار سے اس کی تردید کرتی ہے۔ ڈیٹن (Vinton) میگزین نے لکھا ہے کہ امریکی دفاتر میں ہر سال تین ہونے والے کار حادثے ان افراد ہاک ہو جاتے ہیں، ان میگزینوں کی تعداد کسی ساٹھ ہزار اور ڈیٹن ہزار کے درمیان ہے۔ ان حادثوں کے اسباب مختلف ہیں۔ مثلاً پھسلنا، ڈش، فرش پر گرنا، ہولی کاٹی، بیچ راتے میں رکھی ہوئی ڈش کی ٹوکر، الیکٹری یا دوسرے آلات کا لاپرواہی سے استعمال وغیرہ کے زخمی اور ہلاک ہونے کی تعداد مردوں کے مقابلے میں لگتی ہے۔

## مزدور کیا

### چاہتے ہیں؟

- ۱۔ کم از کم - تنخواہ دوسروں سے جو اچھا تناسب سے ہنرمند مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔
- ۲۔ گرائی فیم کی جائے۔
- ۳۔ مزدوروں کو طرمان کا غیر مشروط حق دیا جائے۔
- ۴۔ تمام گرانڈر مزدور لیڈر طلب ملوں اور سیاسی لیڈروں کو رہا کیا جائے اور ان کے مطالبات پورے کئے جائیں۔

جنرل سکریٹری - دیپت پاکستان

ٹرانسپورٹ سروس - حیدر آباد

ہینر جارج اور ماریا ٹریز نے اردنگ کے ایک چھوٹے سے شہر باورین میں جب اپنے نوول دیکھنے کا نام سرکاری طور پر رجسٹر کرنے کے لئے درخواست پیش کی تو حکم کا پورا اعلان جرت اور دستر کے بلے تلے تاثرات میں ڈوب گیا۔ رجسٹر کرنے انہیں بتایا کہ "اس کی ۱۲ سالہ مدت ملازمت میں یہ پہلا نوکھ اور ناقابل یقین واقعہ ہے جب کسی والدین نے اپنے لڑکے کا نام "جی" رکھا ہو یا کا انقلابی رہنا، لکھا ہو۔ اس نے مزید کہا "اگر اس نام سے بچے کے جنس کی نشاندہی نہیں ہوتی، رجسٹر کرنے جرم تو ان کے مطابق اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے بچے کا نام سرکاری رجسٹر والدین نے بچے کی جنس کے متعلق غلط فہمی دور کرنے کے لئے بچے کا پورا نام "جی" لکھ رکھا اور دوبارہ رجسٹریشن کی کوشش کی، مگر رجسٹر کرنے اس اچھی نیت کا نام رجسٹر کرنے سے انکار کر دیا۔ بچے کے والدین حکم کی اس بے انصافی پر بہت ناراض ہوئے اور بالآخر عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہینر جارج برقیات کا ماسٹری ہے، اس کا کہنا ہے کہ "میں نظریات کے خلاف ہوں۔ جی ایک انسان تھا" اور بحیثیت انسان اس نے میں متاثر کیا ہے۔ اس نے غربت اور نا انصافی کے خاتمے اور ایک انقلابی معاشرے کی تعمیر کے لئے دنیا کی تمام آرام و آسائش کو تھوڑا دیا اور اپنے آپ کو غربتوں کی بہتری کے لئے وقف کر دیا اور آخر کار اسے اپنی اس انقلابی سوچ اور انقلابی عمل کی خاطر اپنے آپ کو بھی قربان کرنا پڑا۔ جرم کے قابل رشک والدین کو دو جلی علاقوں میں ناکام ہو چکے ہیں کچھ بھی ان کا حوصلہ بلند ہے، اور اب وہ ہانگور میں اپیل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ خیال ہے اس مرحلے میں تقریباً ۲ سال لگ جائیں گے اسلئے ہفتے وہ اپنے بچے کی پہلی سالگرہ منانے والے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک اپنے بچے کا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا ہے۔ بچے کی ماں مخم ہے، برلن میں، اس کا کہنا ہے کہ "میرے بچے پر 'جی' کے نام کا یہ اثر ہوگا کہ وہ اپنی زندگی دیکھی انسانوں کی خدمت اور ان کے لئے ایک نئی جنت کی تعمیر میں وقف کر دے گا۔"

## سب سے پرانا ٹیکس

برطانوی شہری لیکن شاعر کے بڑے محل ننگم میں کی مرمت کے لئے ۳۰ برس کے ٹیکس ادا کرنے آئے ہیں ادراپ



# پشاور میں

## مکانوں کا مسئلہ

۱۰۰ روپے کے ملازم کے لئے

۱۵۰ روپے ماہانہ کرایے کا مکان۔

۷۰ فیصد شہری عذاب میں مبتلا ہے۔

بنگلے نہیں چاہتیں۔ کوارٹر بنوائے۔

سرف: مرتبہ تنظیم الخدمت پشاور

صنعت و خدمت اور تجارت کی روز افزوں رفتی کی وجہ سے شہری کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ غیر زراعت پیشہ لوگ دیہات کو چھوڑ کر شہروں میں آباد ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ دیہات کے مقابلہ میں شہروں میں روزگار پیدا کرنے کے وسائل زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

آبادی میں اضافے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں جن میں ایک مسئلہ کوآرٹھی مکانات کا ہے۔ پاکستان کی آبادی میں گذشتہ پندرہ برسوں سے جس برق رفتاری سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس تیزی سے عام شہریوں کے لئے رہائشی ضروریات پوری نہیں ہو رہی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق آبادی میں اضافے کے سبب ہر سال تقریباً پانچ لاکھ نئے خاندانوں کے لئے نئے گھروں کی ضرورت پڑتی ہے حکومت نے بعض علاقوں میں رہائشی مکانات کی سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن پشاور جو پاکستان کا صنعتی لحاظ سے ایک پس ماندہ علاقہ ہے آج تک اس علاقے کے مسائل پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ نتیجتاً آج پشاور کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

پشاور کی اکثر آبادی و صنعتکاروں، معمولی تاجروں، چند بڑے سوداگروں اور سرکاری و غیر سرکاری ملازمین پر مشتمل ہے۔ یہاں ہر کوئی کوئی بڑے بڑے کارخانے اور صنعتی ادارے نہیں اس لئے لوگوں کی عام مالی حالت بھی اچھی نہیں نئے مکانات کی تیسرے نئے زمین آسانی سے ہاتھ نہیں آتی اور تعمیراتی سامان کی قیمتیں بھی بہت زیادہ ہو چکی ہیں اس لئے قدیم شہر کی عمارات پرانی اور بڑی

### پشاور کے ایک چارٹرڈ محکمے کا ایک سو سیدہ مکان

سہولتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بہت ہی قلیل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پشاور کی تقریباً ۶۹ فیصد آبادی رہائشی مسئلوں سے دوچار رہائشی مکانات کی قلت اور بے گھر لوگوں کی رہائشی ضروریات میں اضافہ کی وجہ سے مکانوں کے کرائے آسمان سے ہاتھ کر رہے ہیں۔ ایک معمولی سی قسم کے مکان کا کرایہ پچاس روپے تا سی روپے کے کم نہیں۔ ملازم پیشہ جن کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے اور ۲۰ روپے کے درمیان ہو۔ اس کرائے کا بوجھ کیسے برداشت کرے گا۔ یا ایک معمولی دوکاندار یہ رقم کیسے

ہیں۔ اور ان میں سے اکثر غفلان محنت کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں کریم پورہ اندر شہر اور جوگن شاہ کے علاقوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ ان علاقوں میں بعض گلیوں کی چوڑائی تین فٹ سے زیادہ نہیں ہے اور اکثر عمارت چار چار اور پانچ پانچ منزلوں پر مشتمل ہیں اور آٹھ سائے کے مکان ناچار جا کر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں جس سے کئی منزلوں اور گلیوں میں روشنی اور دھوپ کا گزرتک نہیں ہوتا۔ سارا دن بجلی کی مدد سے کام کرنا پڑتا ہے کئی کوچوں میں جاکر کڑے کے ڈھیر لگے رہتے ہیں جس کی وجہ سے شہر کے لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں مثلاً تپ دق، دھرمیریا، ہیپتہ وغیرہ۔

۱۹۵۷ء کے بعد پشاور کی آبادی میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۵۱ء کی آبادی کے مقابلے میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری میں پشاور کی آبادی میں اوسطاً ۲۵۶۳ فیصد سالانہ اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ اب جب کہ ۱۹۷۱ء میں مردم شماری ہونے والی ہے۔ یہ اضافہ ۱۱۹۶۱ء کے مقابلے میں تقریباً ۳۳ فی صد متوقع ہے یعنی ۱۹۵۱ء میں جہاں ۱۰۰ آدمی رہائش پذیر تھے۔ اب وہاں تقریباً ۱۷۰ آدمی رہ رہے ہیں۔ آبادی میں اضافے کی اس رفتار کے مقابلے میں اگر رہائشی مکانات کی

اداکر پائے گا۔ یہ اونچے کرائے غریب عوام کے لئے ناقابل برداشت عذاب بن گئے ہیں۔ اور ان کے لئے سر چھپانا پتہ بھرنے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ پشاور میں دوسرے شہریوں کی طرح حکومت کے درجہ سوم اور چہارم کے ملازمین بھی رہائشی مکانوں کے مسائل سے دوچار ہیں حکومت کی طرف سے اب تک ان ملازمین میں مشکل، فیصد کوآرٹھی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ جب کہ تقریباً ۶۹ فیصد کوآرٹھی کا ہار، فیصد بطور کرایہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ خود کرایہ پر رہا ہو سکے۔ حاصل کر سکیں۔ حکومت کے ان ملازمین کی تنخواہ ۷۰ روپے اور ۳۵۰ روپے کے درمیان ہے۔ یعنی ان ملازمین کو حکومت کی



# کیا انتظامیہ سب سے پہلے دن کے پلانٹ مار پیٹیں؟

طرف سے کرایہ مکان تقریباً ۲۰ روپے اور ۳۰ روپے کے درمیان ملتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں ایک ایسا مکان جس میں ایک سفید پوش خاندان رہ سکے ۶ روپے اور ۳۰ روپے کے درمیان ملنا خواب کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے ان تنگ دست ملازمین کو اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ کرایہ مکان کی صورت میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح یہ مزدور تنگ دستی کا شمار ہو جاتے ہیں۔ حکومت اپنے ملازمین کو جو مکانات دیبا کرتی ہے۔ ان میں سے اکثر مکان اسٹاف کی رہائش کے قابل نہیں ہوتے۔ اس سلسلے میں ریلوے کے ملازمین کے کوارٹر بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔

ایک حادثے کے مطابق پشاور کے بعض مکانات میں دودھ دینے والے گھرانے آباد ہیں۔ یہ وہ غریب اور معصیت زدہ لوگ ہیں جو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ کئی کنبے مل کر ایک مکان کرایہ پر حاصل کر لیتے ہیں۔ اور کرایہ کی رقم کا اپنا پناہ ضرر مقرر کردہ گھرانہ ایک مکان کو ادا کر دیتے ہیں۔ ان میں ہر کنبہ ایک چھوٹے سے کمرے میں زندگی کے درود شنب پورے کرتا ہے۔ اس طرح تنگ جگہ پر رہنے سے اکثر افراد تپ دق اور کئی دوسرے مہلکی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مالی مشکلات کی وجہ سے علاج نہیں کروا سکتے اور آخر کار موت کا شمار ہو جاتے ہیں۔

## ٹاؤن بلڈنگ کمیٹی کے فیصلے

رہائشی مکانات کی قلت، پشاور کا نہایت پرانا اور سنگین مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کی شدت کا احساس حکومت کو بھی ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں کشر خیر فہل خان کی سربراہی میں ایک ٹاؤن بلڈنگ کمیٹی تشکیل دی گئی اور فیصلہ ہوا کہ شہر سے باہر ایک نئی بستی تعمیر کر کے رہائشی مکانات کے مسئلہ کو حل کیا جائے۔ کچھ کاغذی کارروائیاں ہوئیں لیکن تین سال تک یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ اسی دوران خیر فہل خان پشاور سے تبدیل ہو کر چلے گئے۔ اور ۱۹۶۵ء میں جب وہ دوسری بار پشاور ڈویژن کے کشر مقرر ہو کر آئے تو مسئلہ جو ان کا تو تھا محض مزید ایک سال تک وہ اس منصوبے کی تفصیلات مکمل کر سکے۔ ۹ اگست ۱۹۶۶ء کو ان کی زیر صدارت جب ٹاؤن بلڈنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو کوئی اہم فیصلہ نہ گئے نئی بستی کے لئے کو باٹ روڈ پر دو سو ایکڑ کا رقبہ منتخب کر لیا گیا جس میں پندرہ ہزار کو اڈا تعمیر ہونے تھے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ چودہ لاکھ روپے اس منصوبہ پر اسی سال خرچ کئے جائیں گے اور اس سببی کی تعمیر تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران مکمل کر لی جائے گی۔ اجلاس میں یہ بھی طے پایا کہ نئی بستی کے رقبہ کو پلاٹوں میں تقسیم

کر کے بے گھر لوگوں کو قسطوں کی صورت میں دیئے جائیں گے اور ضرورت مندوں کو مکانات کی تعمیر کے لئے قرضوں کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی۔

کشر صاحب نے ٹاؤن بلڈنگ کمیٹی کے ارکان کو جن میں اس وقت کے معززین شہر بھی شامل تھے اس بات پر زور دیا کہ یہ منصوبہ جلد از جلد مکمل کیا جائے لیکن نہ جانے کن عناصر نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے سے روک دیا۔ مجوزہ بستی کے متعلق کئے گئے فیصلوں کو تین سال ہو چکے ہیں لیکن افیس صدافوس کو اس منصوبے کو اور بھی پیچھے دھکیل دیا گیا ہے۔ کو باٹ روڈ کی اراضی کو غیر موزوں قرار دے دیا گیا ہے۔ اور نئی جگہ کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔

یعنی ۱۹۶۶ء میں مسئلہ جہاں تھا اب بھی وہیں ہے۔ البتہ ہزاروں روپے اجلاسوں، تقشوں، مسودوں اور دیگر کاغذی کارروائیوں میں ضائع کئے جا چکے ہیں۔ مضافاتی بستی تعمیر کرنے کے لئے نئی جگہ کا انتخاب کرنے والے حکام کو دیبا کی گئی تھی کہ وہ ۱۹۶۹ء کے دوسرے ہفتے میں اپنی رپورٹ پیش کریں۔ حکومت نے اس بستی کی تعمیر کے لئے پچاس لاکھ روپے بھی منظور کر دیئے تھے۔

سیٹلائٹ ٹاؤن کی تعمیر میں مسلسل تاخیر اور التوا نے پشاور کے شہریوں کے دلوں میں کئی قسم کے شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ مجوزہ سیٹلائٹ ٹاؤن کے متعلق یہ بات عام ہو چکی ہے کہ ٹاؤن کی اراضی کو پلاٹوں کی شکل میں تقسیم کر کے فروخت کر دیا جائے گا۔ یہ بات حکومت پر دھم کو دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ ٹاؤن امراء کے لئے نہیں بلکہ معاشی طور پر کمزور لوگوں کے لئے تعمیر کیا جائے گا۔ جو لوگ ۳۰ روپے اور ۵۰ روپے

## سرکاری پلانٹ

## کی تقسیم مہین

## نیلام اور ترعہ اندازی

## دونوں طریقے

## حتمہ کے جائیں

ماہوار کے درمیان کرایہ مکان ادا نہیں کر پاتے اور جن کو مشک سے دو وقت کی روٹی میسر ہوتی ہے۔ وہ ان پلاٹوں کو کیسے خرید سکیں گے۔ اور اگر کسی طریقے سے وہ پلاٹوں کی قیمت ادا بھی کریں۔

تو مکان کی تعمیر کے لئے دوپہ کہاں سے لائیں گے۔ اگرچہ ایک ایسا ادارہ ہے جو مکان بنانے کے لئے سوئید دوپہ قرض دیتا ہے۔ مالا اشارہ اس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کی طرف ہے مگر ایک آدھار سے قرض روپہ حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرا سوڈ کی شرح بہت زیادہ اور ناقابل برداشت ہے۔ لہذا ایک غریب آدمی کے لئے خود مکان بنانا ناممکن بات ہے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ ٹاؤن میں خود مکانات تعمیر کروائے اور بے گھر شہریوں کو الاٹ کر کے ان کے مکانات کی قیمت آسان قسطوں کے صورت میں وصول کرے۔

## مکانات کی تقسیم

اس سلسلے میں اس کام کے متعلق اظہار بھی ضروری ہے کہ مجوزہ مضافاتی بستی کے پلاٹ یا ان پر حکومت کی طرف سے تعمیر شدہ مکانات کن اصولوں کی بنیاد پر اور کس طریق کار کے تحت بے گھر لوگوں میں تقسیم کئے جائیں گے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بندہ نیلام فروخت کئے جائیں۔ جبکہ دوسرے حلقوں کی منشا ہے کہ فروخت بذریعہ قرعہ اندازی ہو۔ یہ پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پشاور کے حالات کے پیش نظر مندرجہ بالا ہر دو طریقے بالکل ناموزوں اور ناجائز ہوں گے کیونکہ اگر پلاٹ یا مکان بندہ نیلام فروخت کئے گئے تو خریدار وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ سے زیادہ رقم جے سکیں گے۔ اور اس طرح امراء اور سرمایہ دار لوگ اس کام کو تجارت کے طور پر اپنائیں گے۔ اور عام لوگوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ قرعہ اندازی کا طریقہ بھی نامناسب ہے کیونکہ اس طریق کار کے تحت بھی ضرورت مند نظر انداز کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے پلاٹ یا مکان پشاور کے ضرورت مند لوگوں کو مندرجہ ذیل شرائط پر دیئے جائیں:-

- (۱) مکان کا ضرورت مند مدد دس سے پشاور میں رہ رہا ہو۔
- (۲) وہ اپنا کوئی ذاتی مکان نہ رکھتا ہو۔ اور نہ ہی اس کی بیوی یا بچوں کے نام پر کوئی مکان ہو۔
- (۳) اس کی آمدنی ۵۰۰ روپے سے کم ہو۔
- (۴) جس شخص کو پلاٹ یا مکان الاٹ کیا جائے، اس سے تحریری بانڈ لیا جائے کہ وہ پلاٹ یا مکان کم از کم دس سال تک نہ ہی فروخت کر سکے گا۔ اور نہ ہی کسی اور کے نام پر منتقل کرے گا۔
- یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر حکومت نے مندرجہ بالا شرائط کے تحت پلاٹ یا مکان الاٹ کئے تو اس طرح جائز حقداروں کو



## پشاور کی انتخابی مہم کے بارے میں

ہی بل سکیں گے۔

ہم حکومت سے یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ:-

(۱) مجوزہ سٹیٹسٹ ٹاؤن میں صرف ایک منزلہ مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔ کیونکہ اس طرح وقت، روپیہ اور جگہ کی بچت ہوگی

(۲) اس ٹاؤن کے لئے اراضی کا انتخاب بڑے سوچ سمجھ سے کیا جائے۔ نشیبی علاقوں میں یہ ٹاؤن قطعاً تعمیر نہ کیا جائے ورنہ زمین کے اثرات کی وجہ سے عمارات جلد از جلد خراب ہو جائیں گی اور نقصان ان لوگوں کو ہوگا جو نقصان برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

(۳) مکانات پشاور کے جغرافیائی ماحول، ایک کنبہ

کی رہائش کے لئے معقول گنجائش اور حفظان و صحت کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر تعمیر کئے جائیں۔

آخر میں ہم پورے وقت کی سہولتیں پیش کر رہے ہیں کہ اگر حکومت پوری دلچسپی سے لے لے تو پشاور میں رہائشی مکانات کا مسئلہ نہایت خوش سہولتی سے حل ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح کئی خاندانوں کو رہائشی تکالیف اور ذہنی الجھنوں سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔ اور ان کی زندگی سنبھل سکتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ صرف مجوزہ سٹیٹسٹ ٹاؤن کے منصوبہ پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ یہاں کے رہائشی مسائل کو حل کرنے کے لئے دیگر ذرائع کو بھی کام میں لائے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس علاقے میں کام کرنے والے بیگنوں، انشورنس کمپنیوں اور

پشاور میونسپلٹی کو مجبور کر کے کہ وہ پشاور میں مختلف مقامات پر چھوٹی چھوٹی کالونیاں تعمیر کریں۔ اس سے ایک تو ان اداروں کو منافع حاصل ہوگا، اور دوسرا اس علاقے کے لوگوں کی تکالیف بھی کم ہو جائیں گی۔ ان بیگنوں اور دیگر اداروں نے اس علاقے سے کافی فائدہ حاصل کئے ہیں۔ اس لئے ان کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس علاقہ کی بہبود اور ترقی اور لوگوں کی بھلائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

پشاور میونسپلٹی نے اپنے ذرائع آمدن بڑھانے کے لئے پشاور میں کئی کمرشل عمارات تعمیر کی ہیں۔ اور کئی دیگر تعمیرات ہیں لیکن ابھی تک پشاور کے شہریوں کے لئے رہائشی سہولتیں مہیا کرنے کا کوئی کوشش نہیں کی۔

پاسپورٹ کے درخواستوں پر مہینوں کا مدتہ نہیں پورے ہوئے، عرصے گزار دے کہ بھوکا پیٹ کے طے سرج دھتکار دیا جاتا ہے، عوام پر دہشتہ کے دروازے بند ہیں اور صرف اتنے افراد پر کھلتے ہیں جو عیال کے خوشنود سے معاملے کرنے کے قابل ہوں۔

حکومت نے اگر پاسپورٹ کے حصول میں صبر ہے آسانیاں مہیا کی ہوں تو خدا کے لئے انہیں واپس لے لے۔

### مکتوب پشاور - فارغ بخاری

## اسلام پسندوں

## کی انتخابی

## عذر داریاں

## ”مُخالفوں نے

## اسلام کے

## نام پر ووٹ

## کیوں مانگے؟

صوبہ سرحد کی اسلام پسند جماعتوں کے نام کا امیدوار جن میں قیوم لیگ اور جماعت اسلامی کے امیدوار بھی شامل ہیں عجیب العلماء، ہزاروں گروپ کے کامیاب امیدواروں کے خدشات اس بنیاد پر عذر داری کر رہے ہیں کہ جمیٹ کے امیدوار نے ”اسلام اور قرآن کے نام پر“ ووٹ حاصل کئے ہیں۔ غصہ خدا کا جو لوگ اپنے حریفوں پر کفر کے فتوے لگاتے رہے اور خود اسلام کے واحد گیارہ دار ہونے کے دعوے کرتے رہے آج وہی لوگ اس امر پر مصر ہیں کہ اسلام کا نام کیوں استعمال کیا گیا۔ حالانکہ قیوم پارٹی سے لے کر جماعت اسلامی کے عہدیدان تک نہ صرف قرآن پاک لے کر ووٹ دہشت کی جھبک مانگتے رہے بلکہ ووٹروں کو خریدنے کے لئے اس کتاب مقدس پر ووٹ رکھ کر انہیں دینے والے ادب الٹا دوڑیں کو انہیں دے رہے ہیں۔

### کیا یہی پاسپورٹ کا دفتر ہے؟

مارشل لا اور فٹنٹ نے کچھ عرصہ قبل اعلان کیا تھا کہ نئی ہدایات کے مطابق پاسپورٹ کے اجراء میں آسانیاں پیدا کر دی گئی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان کا

پاسپورٹ آفس کے بڑے بڑے عیال پر کوئی اثر نہیں ہوا یا اثر ہوگی تو مختلف ذرائع سے گھر بیٹھے کام کر لیتے ہیں لیکن جوان ذرائع سے محروم ہیں ان کی درخواستیں سچے بچہ ماہ سے دفتر میں پڑی ہیں اور کوئی شنوائی نہیں ہوتی وہ تین روپے پاسپورٹ نہیں کی بجاری رقم کے ٹکٹ لگا کر غام داخل کرتے ہیں لیکن دفتر میں انہیں بھکاریوں کی طرح دھتکارا جاتا ہے عوام پر دفتر کے دروازے بند ہیں اور صرف ان افراد پر کھلتے ہیں۔ جو عیال کی خوشنودی حاصل کرنے کے مت بل ہوں دفتر کے باہر لوگوں کا جھوم رونا نہ سمجھ سے اس امید پر کھڑا رہتا ہے کہ ان کی بات سنی جائے گی۔ انہیں صحیح جواب ملے گا۔ لیکن ۱۲ بجے اطلاع مٹی ہے کہ دفتر بند ہو گیا لیکن آئیے حالانکہ دفتر کا وقت ۱۲ بجے تک ہے لیکن اس دفتر کا عملہ ۱۲ بجے کے بعد کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ خدایا نے کیوں؟۔ پاسپورٹ آفس سے پوچھا اسی تک کوئی بھی علامہ شریک نہ طور پر بیان کو اجاگر کیا کہ ان کی بدنامی کا یہ عالم ہے کہ انھیں انکار نہیں دیکھتے کچھ کہتے تو ان کا جواب یہ ہوگا ”جا بیٹے مارشل لا والوں سے شکایت کر دیجئے۔“ حکومت نے پاسپورٹ کے حصول کے لئے جن سہولتوں کی یاد دہانی کرائی تھی اگر وہ یہی سہولتوں ہیں تو خدا کے لئے انہیں فوراً واپس لے لیا جائے۔



# طلباء کے سامنے حمایت، سنڈیکیٹ میں مخالفت یہ ہیں، میڈیکل کالج کے پرنسپل صاحب

پشاور یونیورسٹی کا میڈیکل کالج غیر معینہ طور پر بند کر دیا گیا ہے۔

اس واقعہ کے پس منظر یہ ہے کہ طلباء نے مطالبہ کیا کہ انہیں پانچ فیصد گریس ملے، ایک مائیس اور دوسرے میڈیکل کالجوں میں طلباء کو سبٹنس حاصل ہونے پر و غیر میڈیکل کالج بھی فراہم کی جائیں یونیورسٹی کے حکام کا کہنا ہے کہ گریس مارک دینے کا بندوبست نہیں کر سکتے یہ بات ان کے احاطہ اختیار میں نہیں ہے۔

یہاں تک تو یونیورسٹی کی انتظامیہ حق بجانب تھی۔ لیکن پرنسپل صاحب کے رویے سے معاملے کو سمجھانے کے بجائے زیادہ بگاڑا دکھاتا ہے کہ انہوں نے پہلے یونیورسٹی کے اداروں اور دانشوروں کے سامنے پانچ فیصد مراعاتی فیرونیہ کی تحریری گزارش کر دی لیکن سنڈیکیٹ کی میٹنگ میں طلباء کے مطالبے کی شدت سے مخالفت کی۔ دوسرے روز طلباء کو اس بات کا علم ہوا تو یونیورسٹی کے عہدے دار پرنسپل صاحب سے شکایت کرنے گئے طلباء کا بیان ہے کہ اس موقع پر پرنسپل صاحب کوئی معقول جواب دینے کے بجائے آپس سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے صرف چھٹیاں دیں بلکہ نہایت توہین آمیز الفاظ بھی استعمال کئے اور ایسی ناانصافی کی کہ طلباء کو کسی نوعیت کی ایک ذمہ دار انسان سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ یہ کہ حالات قابو سے باہر ہو گئے اب طلباء سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ پرنسپل کو فوراً نکالا جائے اس پر ایسا ہنگامہ مچا کر ہوا جس پر قابو پانا انتظامیہ کے لیے بات نہ رہی یہاں تک کہ میڈیکل کالج بند کرنا پڑا۔ ایہاں کی تمام سیاسی پارٹیوں اور طلباء کی ساری یونینوں نے پرنسپل کو برطرف کرنے کے مطالبے کی حمایت کر دی ہے

کالج کو زیادہ دنوں تک بند نہیں رکھا جاسکتا اور پھر صورت حال میں اسے دوبارہ کھولنے کا راستہ ہی نظر آتا ہے کہ پرنسپل کو ہٹا دیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے معقولیت کا مظاہرہ نہیں کیا اور مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کے بجائے مزید الجھانے کا کردار ادا کیا ہے اگر طلباء کا مطالبہ جلد از جلد پورا نہ کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ میڈیکل کالج کا دوبارہ کھولنا ممکن نہ ہوگا۔ بلکہ دوسرے کالجوں میں بھی بڑا ہی خطرہ ہے جس سے ساری یونیورسٹی کا جتنا اثر ہونا لازمی ہے

لیکچرار ہڑتال برآمدہ ہیں

مرید یونیورسٹی کے صدر نے اپنے ارکان کی طرف سے ہڑتال کی دھمکی دے دی ہے اور کہا ہے کہ اس کے

نتیجہ کی تمام تر ذمہ داری ان حکام کے سر ہوگی۔ ہڑتال منسل سے کام لے کر ان کے جائز مطالبات کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسی ہی ایجنٹ کا یہ دیرینہ مطالبہ ہے کہ انہیں کلاس روم کا درجہ دیا جائے اور عارضی لیکچرار کو مستقل کیا جائے۔ یونٹ کوٹے سے پہلے پورے مغربی پاکستان کے اساتذہ کی تنظیم کے یہ مطالبات تھے۔ جسے اس وقت کے گورنر نے پورا کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یونٹ کوٹے کے بعد صوبائی سطح پر سارے مغربی پاکستان میں ان مطالبات کے لئے جدوجہد جاری رہی آخر حکومت کی مدد سے یہ شک آگیا کہ انہوں نے اساتذہ نے ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا لیکن پنجاب گورنمنٹ نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے انہیں درجہ اول دینے کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور دوسرے مطالبات کا جائزہ لینے کے لئے اعلیٰ اختیارات کی کمیٹی مقرر کر دی۔ لیکن سرکار گورنمنٹ نے ابھی تک اس مسئلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا جس سے یہاں کے اساتذہ کی بے اطمینانی لازمی ہے۔ صوبائی حکومت کا فرض ہے کہ وہ پنجاب گورنمنٹ کے فیصلے کی روشنی میں سرحد کے اساتذہ کی ایجنٹ کے مطالبات پورے کرے کہ انہیں مزید پریشانی سے نجات دلائے۔

## مزدوروں پر فائرنگ

گورنمنٹ رزرو اے ایف بیٹن میں جہاں گریڈنگ کے مزدور اور پولیس میں تصادم ہو گیا۔ جس میں بیسیوں مزدور زخمی ہوئے

لجہ میں پولیس نے دس مزدوروں کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کر لیا جن میں یونین کا صدر جین خان بھی شامل ہے جہاں گریڈنگ میں مزدوروں اور مالکان کا تنازعہ ایک مرحلہ سے چل رہا ہے سرکاری داروں نے استقامت میں ان کا کی جھڑپیں اور حق تلفیوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی وجہ سے سرحد کی تمام ملوں میں مزدوروں میں شدید بے چینی پائی باقی ہے جہاں گریڈنگ میں مالکان کی دھمکیوں کے خلاف یونین نے ہڑتال کا فیصلہ کیا حکومت سے اساتذہ کی گئی کہ وہ مداخلت کر کے مزدوروں کے جائز حقوق کا تحفظ کرے اور حالات کو خراب ہونے سے بچائے لیکن شہزادی نہروٹی اور ہڑتال کے لئے مزدوروں کو مجبوراً ہونا پڑا مالکان نے پرانے حربوں سے کام لیتے ہوئے ماحول کو سمجھانے کے بجائے پاٹ یونین کے ذریعے ہڑتال کو نام کا بنانے کا تہیہ کر لیا مزدوروں نے مل کا گھراؤ کر لیا مالکان تصفیہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور حکام کی طرف سے مزدوروں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پولیس کی حمایت حاصل کر کے مزدوروں پر فائرنگ کرنے کا بے بنیاد الزام لگا کر ان پر صرف تشدد کیا گیا بلکہ انہیں مزدور لیڈروں کی گرفتاری بھی مل میں لائی گئی۔ ہمارے ملک کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ سرکاریوں کو دھاندلی کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے جب کہ مزدوروں کو حکومت کی طرف سے حاصل ان کے جائز حقوق دلانے میں بھی حکومت کی شہینہ بری طرح کا کام ثابت ہوئی ہے خصوصاً پولیس کے جہاندارانہ رویہ تو اب رسوا کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کی اصلاح کی طرف اگر کچھ نہ کی گئی تو اس کے نتائج کسی وقت بھی تشویش ناک موثر اختیار کر سکتے ہیں۔

علامہ نیازی فتح پور کے کابناء کے دلہا ممتاز علی اذنی ماہٹا

## نگار پاکستان

کا سالنامہ ۱۹۷۰ء

مرید نمبر (حصہ اول)	مرید نمبر (حصہ دوم)
نیرا دھرتی۔۔۔	پاک دھرتی کے ممتاز اہل قلم کے قیمتی مقالات کا مجموعہ۔ مرید نمبر
شائع ہو گیا	حصہ اول بابت نومبر ۱۹۷۰ء کا مجوزہ لانچنگ: جنوری ۱۹۷۱ء
صفحہ امت:۔۔۔	۱۲۸ صفحات
قیمت	دو روپے
مقام اشاعت:	۲۵۰ صفحات قیمت: چار روپے (زیر طبع)
دفتر ماہنامہ نگار پاکستان محمدی منزل ۱۷ کمرشل ایریا ۱۷ بابت آباد کراچی ۱۹	



# اقتصادی آزادی کیلئے بین امریکہ کے حلقہ ایشیائی ملکوں کا

ہماری معیشت قسطاً  
انیس سو پچاس سو

ہمارے ملک کے صنعت کے کاغذیہ ۳۰ فیصد سرمایہ غیر ملکی ہے، جس سے ہمارا ملک مغرب طاقتوں کا تابع ہو گیا ہے اور امریکہ ہم پر دبائو ڈالتے رہا ہے کہ ہم اپنے بکے کٹے قیمت کم کر دیں اور وہ ہمارے دے رہا ہے کہ ایسا نہ کیا تو مغربی طاقتیں ہم کو قرضے کے فراہمی سے بندھ کر دیتے گئے۔ ادارہ اس موضوع پر قراردادیں کے موافق اور مخالف آزاد کا خیر مقدم کرنے گا۔

اضافہ ہوتا ہے اور ملک سے ناخواندگی بھی بتدریج کم ہو رہی ہے۔ تیسرے راستے پر ہمارا ملک چل رہا ہے یہاں نہ صرف یہ کہ غیر ملکی سرمایہ پر کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ ہم مغرب کے سرمایہ دار ملک کو تیرہ وقت دہوت دیتے رہتے ہیں کہ آئیے ہمارے ملک میں سرمایہ لگائیے حکومت کے حکمے اس سلسلے میں خاص اہمیت شائع کرتے ہیں جن میں غیر ملکی سرمایہ داروں کو ہمارے ملک میں سرمایہ لگانے کے فوائد گناتے جاتے ہیں حکومت پاکستان کے اقتصادی مشیر جناب ایم ایم احمد صاحب جو مغربی طاقتوں کے منوا اہیں ہمیشہ مغربی سرمایہ داروں کی فرائضی مغرب سے حاصل ہونے والے سرمایہ اور قرضوں کی خیر و برکت کے افسانے دن رات سناتے رہتے ہیں کنسورشیزم کی منشا میں شمولیت کے بعد جب ملک واپس لوٹتے ہیں تو نہایت دکنش تصویر کھینچتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ملک کو ہر سال نامزدی کا ٹھنڈا کھینچنا پڑتا ہے اور صورت حال جناب ایم ایم احمد صاحب کی بیان کردہ تصویر سے خاصی مختلف ہوتی ہے یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ حصول آزادی کے بعد کے زمانے میں ہماری اقتصادی زندگی کو ان حضرات نے ترمیم دیا (علامہ محمد حرم، چودھری محمد علی، سید محمد علی، محمد شعیب، ایم ایم عقیلی، نواب مظفر حسین، قزلباشی) جو مغربی ملک کے نظام پیداوار کے منوا اور مداح تھے اور ملک میں دور رس اقتصادی تبدیلیوں کے مخالف تھے یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک برطانوی کاش و دلیقہ کے ممبر ہیں۔ ہمارے ملک پر بیس ادب رد پیر قرضے ملک میں صنعتی ترقی کی رفتار خاصی مستحکم ہے۔ زرعی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا ہے زہر سال امریکہ آسٹریلیا۔ کینیڈا وغیرہ سے رقم قرض فرم کر کے زرعی اجناس درآمد کرنا ہوتی ہیں) ملک کو ایک ادب دو پیر سالہ اندر مبادلتی شکل میں سود اور اصل کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ہے ملک کی صنعت میں تقریباً تیس فیصد غیر ملکی سرمایہ لگا ہوا ہے ملک اس قدر مغربی طاقتوں کا طالب ہو گیا ہے کہ امریکہ کو یہ بہت ہو گئی ہے کہ وہ ہم پر دبائو ڈال رہا ہے کہ ہم اپنے بکے کی قیمت کم کر دیں اور دہکی دے رہا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا تو مغربی طاقتیں ہم کو قرض کی فراہمی بند کر دیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ ایم ایم احمد صاحب اس لابی (LOBBY) کے لیڈ ہیں جو امریکہ کے اس نقطہ نظر سے اتفاق رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) ملک میں کام کرنے کی صلاحیت رکھنے والے افراد (LABOUR FORCE) کو مناسب کام فراہم کرنا۔ (۶) مندرجہ بالا کمزوریوں اور خامیوں کو کم سے کم وقت میں دور کرنا۔ ان مشن کے مسائل کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک کے کچھ مخصوص مسائل بھی ہر مثال کے طور پر ہمارے ملک کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کی صنعتی ترقی کی رفتار میں فرق، مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں کے درمیان صنعتی اور زرعی پیداوار کے میدان میں فرق، مغربی پاکستان کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری کی کمی، ہندوستان سے تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے پٹ سن، روٹی اور دیگر اجناس کی فروختی کے لئے متبادل منڈیوں کی تلاش کو نئے وغیرہ کی درآمد کے لئے ہندوستان کی بجائے متبادل نظامات وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

اوپر بیان کئے ہوئے مسائل کو حل کرنے کے لئے چین، شمالی کوریا، شمالی ویت نام اور کیمبوڈیہ ایک طریقہ یعنی شلٹ طریق پیداوار اختیار کیا ہے، پھیلچلی میں پیپس برس کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ ملک اپنے تجربے میں بے حد کامیاب ہیں۔

## ہمارے ملک پر ۲۰ ارب روپے کا قرض

## ہے، صنعتی ترقی کے رفتار

## خاصی سست ہے اور زرعی پیداوار

## میت اضافہ نہایت ہو رہا ہے

دوسرے راستے پر مصر، یمن، لیبیا، سوڈان، الجزائر، گنی وغیرہ گامزن ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ان ممالک نے غیر ملکی (امریکی، برطانوی، فرانسیسی) سرمائے کو بلا معاوضہ ضبط کر لیا ہے۔ زرعی نظام میں دوسرے تبدیلیاں کی ہیں۔ بڑی بڑی زمینداران ختم کی ہیں، صنعتی میدان میں ملی ملک اقتصادیات (MIXED ECONOMY) رائج کی ہے۔ بس نئی اقتصادی پالیسی کے نتائج آپ کے سامنے ہیں ان ملکوں میں صنعتی ترقی کی رفتار بھی خاصی تیز ہے زرعی پیداوار میں بھی

محمد اللہ ہمارے ملک میں انتخابات مکمل ہوئے۔ ملک میں ان سیاسی جماعتوں کو اکثریت حاصل ہوئی ہے (عوامی لیگ، پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی) دلی گروپ) جو برائیندیشی طاقتوں کی حامی ہیں سیکورسٹ پر یقین رکھتی ہیں اور اقتصادی میدان میں سوشلسٹ معاشرے کے قیام کی داعی ہیں۔ لیکن انہیں مسائل پر گرفت و تشنہ ہو رہی ہے امید رکھنی چاہئے کہ جدید ادب ان مسائل پر افہام و تفہیم کے ذریعہ کوئی ناکوف درمیان راستہ نکل آئے گا اگرچہ مسائل حل سے مشکل اور پیچیدہ ہیں۔ انہیں مسائل کے ساتھ ساتھ ملک اس وقت نہایت ہی نازک اور گھبراہٹ اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مسائل یعنی اقتصادی مسائل آئیں اور سیاسی مسائل سے زیادہ اہم ہیں ہماری خواہش ہے کہ اقتصادیات سے شدہ بڑھ کر دیکھنے والا پڑھا لکھا طبقہ اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھے اس پر غور کرے اور اس مسئلے کو سمجھانے کے لئے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرے۔

## تیسری دنیا کے مسائل

ہماری رائے میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے نوآبادی ممالک جن کو تیسری دنیا (THIRD WORLD) یا ترقی پذیر ممالک (DEVELOPING COUNTRIES) کہا جاتا ہے جن میں ہمارا وطن بھی شامل ہے) کو ایک ہی قسم کے اقتصادی مسائل درپیش ہیں۔ یہ مسائل کیا ہیں ہمارے نزدیک ان کو کچھ اس طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

- (۱) ان ممالک کی اقتصادی زندگی پر امریکی سرکے کی گرفت۔
- (۲) ان ممالک کی غیر ملکی غلامی کی وجہ سے اندرون ملک غربت، افلاس، پسپائی اور جہالت اور ان وجودات کی وجہ سے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے دجور جیسٹ، کمیٹی، سائنس دان وغیرہ، ہنرمند افراد کی نایابی۔
- (۳) ان ممالک میں صنعت کا نہ ہونا یا ہمارے نام ہونا اور بنیادی صنعتوں کا فقدان۔
- (۴) ان ممالک کی کمی اور زرعی پیداوار کا کم ہونا اور اپنے آبادی کی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مغرب کے ممالک سے اجناس درآمد کرنا۔



لانگ ٹرم (LONG TERM) مسائل کی طرح  
حل کئے جائیں اور ان مسائل کی حل کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار  
کیا جائے۔ یہ کام ہائے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کا ہے کہ وہ  
اس پر سرخیمید سے غور کریں اور اس راستے کو اختیار کرانے  
کے لئے اربابِ حل و عقد پر دباؤ ڈالے آزادی کے حصول کے بعد  
کے زمانے کی تاریخ شاہد ہے کہ ہم جس اقتصادی راستے پر گامزن  
ہیں وہ فتح و نصرت کا نہیں بلکہ تباہی اور بربادی کا ہے۔

عدم توازن کے باعث ہمیں جو خسارہ ہو رہا ہے، اسے ختم کر سکیں گے۔ سرمایہ دار ملکوں کے قرضے اور سود کی ادائیگیاں اور ذریعہ قرضوں کے حصول میں بھی اس طرح آسانی ہوگی۔ اور ترقیاتی منصوبوں اور تجارت میں زبردست اضافہ ہوگا۔

پاکستانی ٹکے کی قیمت گرا کر پچاسی سہ سو اچھاپے سیاسی  
 مقاصد پورے کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہ خوب جانتا ہے کہ خوب  
 تنگ بھارتی ٹکے کی قیمت پاکستانی ٹکے سے کم ہے۔ دونوں  
 ملکوں کے درمیان تجارتی رشتے اور دوستی قائم نہیں کی جاسکتی۔ اور  
 وہ سارا تعلق قائم کئے بغیر پاکستان اور بھارت اس کی عالمی سیاست  
 کے صحیح طور پر چرنے نہیں بن سکتے۔ اس کا ٹھٹھہ کو دور کرنے کیلئے  
 وہ پاکستانی ٹکے کی قیمت گرانے کے لئے مسلسل دباؤ ڈالتا رہے تاکہ  
 دونوں ملکوں کے درمیان جو جھلجھلاہٹ ہے اسے پاٹ سکے۔ اس کے ساتھ  
 وہ اپنے جارحانہ رویہ اور دل کو منافع خوری کے زیادہ سے زیادہ  
 مواقع ہمارا کھانا چاہتا ہے۔

برآمدی تجارت کو فائدہ نہ ہوگا

سرمایہ داری نظام کا یہ خاصہ ہے کہ اسے جب بھی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ کسی کی قیمت لگا کر اسے دہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی زبردستی خست کش علوم و معارف طبقہ اور جوہر ٹٹے کاروباری لوگوں پر پڑتی ہے اس حربے سے ملوث دارالطبقہ اپنا منافع برقرار رکھتا ہے۔ اور اس میں اضافہ کرتا ہے اس نئے پاکستانی قیمت لگانے کی جس طرف سے بھی تائید کی جاتی ہے خواہ وہ سیاسی رہنماؤں کی طرف سے ہو یا منافع خوروں، اچارہ دار سرمایہ داروں اور بڑے تاجروں کی طرف سے ہو اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ ملکی منافع خوروں کی لوٹ کوڑھا جا جائے۔ اور غیر

ملکی سرمایہ داروں کو مزید منافع کمانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ یہی وجہ کی بنا پر ہمارے نزدیک اس مسئلے کی قیمت کرنا عوام اور پاکستان کے کھلی دشمنی کے مترادف ہے۔

پاکستان کی برادریوں میں زرخیز اجناس۔ پٹن سودی۔  
 چاول اون اور کھالیں وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ خام مال ہے جس  
 کی دنیا کی ہر منڈی میں مانگ ہے اور جس کو برآمد کرنے میں پاکستان  
 کو کبھی کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ تکیے کی قیمت گرانے سے  
 اس کی باہر کی تجارت کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ الٹا یہ اثر پڑے  
 گا کہ ان اجناس کی برآمد سے جو زر مبادلہ ہم کماتے ہیں۔ اس  
 کی مقدار گھٹ جائے گی۔ یعنی ہمارا ان اجناس کی موجودہ قیمت  
 کم ہو جائے گی اور درآمدی چیزوں کی قیمت میں اضافہ ہو جائے  
 گا۔ جس کا اثر شاید ضرورت کی چیزوں پر پڑے گا اور یہ دو گنی  
 تنگی ہو جائے گی اس کی وجہ سے کش عوام کا مزین اور چھوٹے کاروبار  
 لوگوں اور درآمدی کی طبیعت پر پڑے گی۔ پاکستان کے تکیے کی قیمت  
 گرانے سے غیر ملکی قرضہ جو ہم نے حاصل کر رکھا ہے۔ اس کی مقدار  
 از خود گھٹ جائے گی اور اس کے سود میں اضافہ ہو جائے گا۔

مثلاً ۱۰۰۰ روپے پاکستان نے جو قرضہ حاصل کیا ہوا ہے۔ وہ پانچ ارب چونتیس کروڑ دس لاکھ ڈالر ہے۔ یہ رقم موجودہ شرح تبادلہ کے حساب سے میں ارب اٹھارہ کروڑ ستر لاکھ روپے کے مساوی ہے۔ پاکستانی ٹیکس کی قیمت گرانے کے بعد یہ قرضہ اکتیس ارب اسی کروڑ اسی لاکھ روپے میں بونہل ہو گا اور یہ پاکستان کی سالانہ برآمدات سے تین گنا زیادہ ہو گا۔ اس شرح سود کی ادائیگی موجودہ شرح تبادلہ کے حساب سے سو کروڑ روپے سے بڑھ کر ایک سو پچاس کروڑ روپے سے زیادہ ہو جائے گی۔ اور پاکستان کی معیشت پر اتنا بوجھ ہو گا جتنا جو عوام کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گا۔

پاکستان کے ٹکے کی قیمت گرانے سے پاکستان کے بڑے  
 تاجروں، جاہداروں، داروں اور اسرار جموں کو ترقی یافتہ ہوگا۔  
 لیکن پاکستان کے محنت کش عوام قلیل آمدنی کے لوگ اور پھوٹے  
 کاروباری نقصان اٹھائیں گے۔ پاکستان کے مزدور، کسان اور  
 دانشور اپنی قوت محنت اور ذہنی صلاحیتوں سے ملکی پیداوار میں  
 جتنا بھی اضافہ کریں گے۔ اس کا فائدہ ان کی خوش حالی کے بجائے  
 معاشی بدحالی کی صورت میں نکلتا ہے۔

مفسرہ معیشت کے لئے تجویزیں

تجربہ شاد ہے کہ کج تجارت اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں نے عالمی بینک اور امریکی سامراج کے دباؤ اور اصرار سے مجبور ہو کر جب بھی شکے کی قیمت گھٹائی ہے۔ اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ اور اقتصادی بدحالی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ پاکستان کے موجودہ معاشی بحران پر قابو پانے کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان اپنی معاشی۔ تجارتی اور اقتصادی پالیسیوں میں دور رس بنیادی تبدیلیاں کرے۔ سامراجی سرمائے اور فزنیل پراختصار ترک کر کے فزنیل اور سود کی ادائیگی سے انکار کرے۔ بیرونی تجارت اور درآمد و تصفوت، بینکوں اور بیرونی کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لے لے موجودہ فرسودہ زرعی جاگیر داری نظام، بلا معاوضہ ختم کرے۔ اور اپنی تجارتی ادائیگی سرمایہ دار ملکوں سے ختم کر کے سرکشلٹ ملکوں اور نوا زاد ملکوں سے تجارت بڑھائے ساتھ ہی اقتصادی ترقی کی پالیسی میں بنیادی اور تجارتی صنعتوں کے قیام کو اولیت دے کہ انہیں بجلی شے میں قائم کرے۔ تاکہ ایک آزاد اور خود کفیل معاشی نظام کی خصوص بنیادیں مستوار ہو سکیں یہی واحد راستہ ہے۔ عوام کی خوشحالی اور معاشی ترقی کا۔

شہدہ میں لسانی تنازعہ ابھی ختم ہونے میں نہیں آرا۔ مفاد

رو و مرقع حاضر ہیں ملک ہوا کے کہ اس کا ہے یہ۔  
بقیہ جامعہ سندھ کے ادارہ سندھ لوہی، یس رات کہ تائی کی  
رزار اور مجرا تاش زنی کے لجدیہ آگ اور شدت سے یسین  
معلوم ہے کہ آندرون سندھ متعلقوں کہ پیش ہیں ہے  
کہ ادارہ سندھ لوہی میں تاشی شریستہ اندوہی بنی عنصر  
سب سے مضبوطی کے تحت آگ لگا کر مذہبی علم و ادب اور  
انمول خزینہ کو خوش انداز میں جلا کر خاکستر کر دیا جسے تبلیغ  
پر تہذیبی و فنی کے کوئی لگا کرے ادارہ کی زبان دانہ

کونفر غ دینے سے کوئی دلچسپی ہے۔ اور دنیا پسند کتابوں، بیش  
قیمت مخطوطات، اور قدیم کتابوں کی تلاش اور ساری دنیا کو جلا کر  
ٹھاک کرنے والے حقیر مضمین ناصر نقہ و ضارب ریاکر کے الگ خون کی  
ہلی کہلایا جاتے تھے۔ ان کے مذہب مقاصد پرور حکم جوں تھے  
اور پرانے مسند جیوں کے مابین قلیعہ وسیع ہو۔ امن و آسائی کا ماحول  
خار تہ ہوا۔ اور مفلکوں و محروم عام اپنے بنیادی و حقیقی مسائل پر توجہ  
دیکر معاشری جدوجہد سے غافل ہو جاتے۔

۱۱۰۰ سندھو لڑی میں سمجھ کا پی ہوئی آگ کے شعلے سندھ  
کے مدد دار گزشتوں کا کسب ہنر کر خوش و خرم و برتر بن کر رہے ہیں۔

اس سانچے کی میرے دن جامعہ سندھ کے شعبہ اردو پر طلباء کے  
ایک گروہ نے دوبارہ قابض ہو کر سمیٹا لایا۔ میری یہ تقریب تمام  
اردو کتب خانہ کش کر دی۔ ایک غریب، اگر سے اردو اخبارات  
کا بدل چھین کر اکٹھا کر دیا۔ اس سانچے سے متعلق سندھ یونیورسٹی  
نے اجالہ میں جو رپورٹ شائع کرائی ہے، تحقیق کے لئے گمراہ کن  
ثابت ہوئی۔ یعنی شاہد دل سے مطابق حقیقت یہ ہے کہ شعبہ کی  
سمیٹا لائبریری کی اردو کتابوں سے کوئی کھلی گئی، خارج رہے کہ  
شعبہ اردو کے سیریل ڈائریکٹر غلام مصطفیٰ خاں رچ رہ گئے ہوئے  
ہیں انتقام مقام شعبہ شعبہ غیب خاں خاں محمد رفیق صاحب اس



# سندھ کی پبلک سروس میں تبدیلیاں

یاد رہی اس کے وقت شہر میں جو وہاں تھے۔

اختیارات اور تباہی کو نذر آتش کرنے کے علاوہ بعض مقامات سے طلباء کے مخالف گروہوں میں تصادم کی بھی امکان خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ سانحوں کے تدارک اور کشیدگی دہ کرنے کے لئے امن پسند حلقے اور ترقی پسند قوتیں بریکر مشال ہیں۔ اس سلسلہ میں سکھ، لائیکانہ، دادا، اور سرپو خاص میں نازہ شہر میں نے امن کمیٹی بنا کر ضلع کی پولیس کی بھی، خیر پور میں پیپلز پارٹی کے منتخب رکن قومی اسمبلی سید نازم علی شاہ اور پیپ کے مقامی رہنماؤں نے باہمی اخوت اور بحالی چارے کی مہمیت مسلح کی ہیں۔

لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ بعض افراد ان کوششوں پر پانی پھیرنے کے لئے منفی حرکت کر رہے ہیں جس سے نہ کھانہ بان کو فائدہ پہنچے گا اور نہ ہی اس ترانہ کے لئے نالوں کو۔ مثلاً ایک مقامی روزنامہ کی خبر کے مطابق 'آفیس سرورٹو' کے ایک سٹاف ٹائر کٹر حنیف صدیقی نے ایک بیان میں کہا کہ اگر اردو والے اپنی حرکتیں باز نہیں آتے تو دونوں کٹاؤں پر فکرام کے تحت سندس ملایا کو مکمل طور پر روک دیا جائے گا۔ ان کی کتابیں ملادی جائیں گی اور اخلاقیات و مسائل کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ اور اگر حکومت نے ہمارے مطالبہ کی تکمیل نہیں کی تو عدالتی کے بعد ہم زبردستی تحریک کا آغاز کر دیا جائے گا جس کے لئے ایک دفاعی کمیٹی کی تشکیل کے ذریعہ دس ہزار رضا کاروں کا پیشہ بھر کیا جا رہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی خیر ہے اس کے توشیح کی جاکر بولے دیکھا جا رہا ہے کیونکہ جہاز تو قوں کا یہ مزاج ہے کہ وہ دفاع کے نام پر حملہ آور ہوتی ہیں۔

## پیپلز پارٹی کی لسانی کمیٹی

دریں اثنا پیپلز پارٹی نے اپنے چیرمین کے زیر صدارت ہر فردی کے اجلاس منعقدہ کراچی میں، لسانی مسئلہ کا جائزہ لیا اور سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کے تین ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا ہے۔ قی ارکان کے طور پر اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ کمیٹی آٹھ دس دن میں اپنی سفارشات پیش کرے گی۔ پیپلز پارٹی کے رکن قومی اسمبلی عبد الحفیظ پیر زادہ نے کہا ہے کہ 'ان کی پارٹی نے عفریہ ان عفریہ لکھاؤں کو بے نقاب کر کے سیاسی کارروائی کی ہے گی انہوں نے اپنی پارٹی کے ارکان اسمبلی سے کہا کہ وہ اپنے علاقوں اور حلقوں میں پھیل جائیں اور حالات کو معمول پر لانے کے لئے کام کریں۔

یہاں پیپلز پارٹی کی قائم کردہ لسانی کمیٹی کے مقرر کو سر جے ہوئے دستور حلقے اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی لسانی تنازعہ کو ختم کرانے اور اس مسئلہ کو حقیقت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے مثبت فارمولہ پیش کرے گی لیکن ان کا کہنا ہے کہ تا حال کمیٹی کے جن ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا ہے ان میں کوئی باقاعدہ اور ماہر لسانیات و عمرانیات نہیں ہے جبکہ لسانی کمیٹی کو ماہرین کی خدمات حاصل ہونا ضروری ہے۔

گزشتہ روز حیدرآباد میں غلام محمد میراج سے سیرات ہونے والے علاقہ دست محمد خاں اور گورانی کے آس پاس آباد بنگالی کاشتکاروں نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ ہمیں حکام مال کے حکام تباہ و برباد کرنے کے بعد زمینیں چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیے ہیں۔ تین ماہ قبل، شدید بارشوں میں ہماری کھری فصلیں تباہ ہو گئیں۔ حکومت نے تقابلی قرضے کے طور پر جو ادائیگی تھی انہیں سے ایک پانی بھی بنگالی کاشتکاروں کو نہیں دی گئی حالانکہ گورانی سلسلے میں واضح احکام کیاری کرے تھے اور ڈیڑھ لاکھ روپے منظور شدہ امداد کی فراہمی کا یقین دلایا تھا۔ بنگالی کرشنگ سہتی کے ۳۴۵ خاندانوں کے نمائندوں نے بتایا کہ ان کے خاندان فادگشی میں مبتلا ہیں ایک فصل بارش نے تباہ کی۔ دوسری فصل امداد ملنے کے سبب نہیں ہو سکے اور اب تیسری فصل اس وقت ہو سکتی ہے جب فصل تیار ہوئے تک گذر اوقات کا بندوبست ہو۔ انہوں نے بتایا کہ دس برس قبل ۱۹۶۱ء میں جس بجز دیوان اور پھر بی زمینیں دی گئی تھیں جسے ہم نے منب دروز عت کے بعد قابل کاشت بنایا اور کھیتی باڑی کی۔ اب ہمیں زمینیں چھوڑ کر واپس بنگلہ دیش چلے جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ بنگالی کرشنگ نمائندوں نے بتایا کہ وزارت داخلہ کے دفاتر میں ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہمیں یہاں دیکھنا نہیں چاہئے۔ اگر انہیں ہماری آباد کاری منظور نہیں تو ہمیں واپس یورپ پاک تان بھیج دیا جائے یا افران روئے تبدیل کریں۔ انہوں نے شکایت کی کہ ہماری زمینوں کے درمیان وہ چھوٹے قطعات جو ہمیں ملنے چاہئیں دو سروں کو لاٹ کے چار بنے ہیں تاکہ جھگڑے ہوں اور جھگڑا کر بھاگ جائیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قرضے کے لئے وہی حکومت ہماری ضمانت ہے جو ہمیں ایک ہزار مل سے یہاں لاتی ہے کیونکہ نفس و فلاح ضمانت کہاں سے آئے گی۔

## حکومت سندھ وضاحت ضروری غلط فہمی دور کرنے

یہاں گزشتہ چند روز سے حکومت سندھ کے ان احکام کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا جا رہا ہے جن کی رو سے صوبائی

ملازمتوں کی آسامیوں کو برقرار کرنے کے لئے غیر تصفہ فائدہ مقرر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کراچی حیدرآباد، سکھ اور دیگر شہروں کا حصہ سرکاری ملازمت کے مطابق چالیس فیصد اور دیہی کوٹہ ساٹھ فیصد مقرر کیا گیا ہے۔ اس فیصلے سے شہن لوگوں کی حق تلفی نہ ہو گی۔ حال ہی میں حکومت سندھ کے ایک ترجمان نے اس خبر کی تردید کی ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ ایسا کوئی حکم یا فیصلہ صادر نہیں کیا گیا، لیکن مصدقہ ذرائع کے مطابق حکومت سندھ کے چیف سیکریٹری کی جانب سے انتظام کے تمام سرکاریوں اور ذیلی عملوں کے سربراہوں کے نام ۱۴ جنوری ۱۹۷۱ء کو (Recruitment Policy in Public Services No. 501) 23/1/71 حکومت سندھ (مردم، جنرل ایڈمنسٹریشن اور محکمہ اطلاعات) ارسال کیا گیا تھا۔ حکومت سندھ کے اس اقدام کی تصدیق اس سلسلے سے ہوتی ہے کہ حکومت سندھ اس سلسلے میں ضروری وضاحت کر کے عوام میں پائی جانے والی بے یقینی اور غلط فہمی کا ازالہ کرے گی؟

سندھ میں پیپلز پارٹی کی متوقع وزارت سازی اور وزیر اعلیٰ کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائی کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں عوامی و سیاسی حلقوں میں یہ تاثر عام ہے کہ سندھ کے وزیر اعلیٰ پیپلز پارٹی سندھ نکل کے چیرمین میر دول بخش خان تالیور ہوں گے۔ بعض حلقہ لاؤ کا دے صوبائی اسمبلی کے میر غلام رسول کھیر اور کچھ لوگ ٹنڈ آدم شہزاد پور کے حلقہ سے منتخب ہونے والے میر سندھ اسمبلی اور محمد مراد کوٹہ کے جام صادق علی کا نام لے رہے ہیں۔

دریں اثنا معلوم ہوا کہ نواب شاہ کے ایک قومی حلقے سے منتخب رکن مرکزی اسمبلی غلام مصطفیٰ اجوتی بھی وزارت اعلیٰ کے امیدوار ہیں جس کی خاطر عفریہ وہ مرکزی اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو کر صوبائی حلقے سے ضمنی انتخاب میں کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو کر رہے ہیں۔

## اظہار تعزیت

سلطان بلادر، یوز ایجنسی حیدرآباد کے بھائی عبدالستار کی بری ذات پر ادارہ 'لیل و نهار' پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

# امان اللہ خاں کون ہے؟

مزدوروں سے اس کے پونجے اور

فٹے پاتہ اسے کا گھر تھا۔

گلگت کا محبوب ہمارا کراچی میں

اے۔ آر۔ خان۔۔۔ کراچی



محاذ آزادی کے رہتا امان اللہ خاں

جوں کشمیر کے لئے آزادی کا مطالبہ کرتی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جوں و کشمیر محاذ پر اسے شہری رہائے آنا کشمیر و پاکستان قائم کیا گیا۔ اور جناب امان اللہ خاں اس کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اس محاذ میں وہ سب سے پہلے موجود تھے جو جوں و کشمیر انڈی پیڈنس کمیٹی میں شامل تھے۔ امان اللہ خاں اس کے سکریٹری جنرل کے عہد پر نومبر ۱۹۶۹ء تک لاٹریسے۔ اب وہ محاذ کے پلیٹی بورڈ کے چیئرمین ہیں۔ انہوں نے ۱۹۶۹ء میں انڈی پیڈنس کمیٹی میں شامل ہوئے۔

امان اللہ خاں کی نظر بندی بھی اپنی نوعیت کا ایک آسمان تھا۔ ۱۱ جنوری سے قبل وہ گلگت و بلتستان میں تھے۔ ۱۲ جنوری کو گلگت میں فائرنگ کا الزام حادثہ ہوا۔ شعلہ حرام نے جیل کی آہنی سلاخیں توڑ ڈالیں اور اپنے محبوب رہنماؤں کو باہر نکال لیا۔ ان میں معروف امان اللہ خاں، علی محمد دوسرے سیاسی رہنما بھی شامل تھے۔ جب اشتعال فرو ہو گیا تو امان اللہ خاں اور دوسرے رہنماؤں نے گلگت کی انتظامیہ کے سامنے اپنے آپ کو زخموں پر دکھایا۔ وہ ایک بہت بڑی جیل میں قید تھے، جس میں سات لاکھ عوام پیٹے سے جوں چلے آئے ہیں، لہذا انھوں نے قید سے کچھ فائدہ اٹھایا۔ ان لوگوں کو دوبارہ جیل بھیج دیا گیا۔ یہ رہنما جو گلگت و بلتستان کے عوام کے لئے حق رائے دہی اور بنیادی انسانی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، اب بھی نظر بند ہیں۔ یہ علاقہ شاید اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں بنیادی شہری اور انسانی حقوق کا مطالبہ بغاوت قرار دیا جاتا ہے۔

گلگت جیل میں ان سیاسی قائدین کے پاس بہترین موجود نہیں۔ یہ لوگ دنیا کی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ انہیں مگر ٹیکس چینی کی اجازت نہیں۔ گلگت کی انتظامیہ اگر دیکھ نہیں کر سکتی تو اپنے سیاسی قیدیوں کے ساتھ تو ایسا سلوک کرے، جو پاکستان کی دوسری جیلوں میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ ہوا رکھا جاتا ہے۔ اخلاقی جرموں کی طرح ان پر تشدد تو نہ کرے۔ حکومت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ کیا تو ان نظر بندوں کو فوری طور پر رہا کرے، یا جیل عدالت میں ان پر مقدمہ چلائے۔

سال کے آخر میں کراچی منتقل ہو گئے۔ ۱۰ جولائی سال امان اللہ نے کراچی میں، لاکھوں سخت کوشش مزدوروں اور فاقہ مست بیروزگاروں کی طرح سخت اور خودی کی زندگی گزار دی۔ چھ ماہ تک ان کا یہ معمول رہا کہ دن بھر مزدوری کرتے اور رات کو فٹ پاؤں پر سو جاتے۔ بعد میں انہیں ایک کمرے کی نوکری مل گئی، لیکن یہ روزگار بھی دیر تک قائم نہ رہا۔ چھ مہینے بعد وہ پھر بیروزگار اور فاقہ مست مزدوروں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اب کے انہوں نے ایک خود کفیل طالب علم کی حیثیت سے تیس روپے کی جزوقتی ملازمت کے سہارے اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اسی سال انہوں نے کشمیر سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی اور اس کی کراچی برانچ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ یہ ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے۔

امان اللہ خاں، ۱۹۵۵ء میں بی بی کے لئے گلگت سکولوں میں دوشنبوں کے اندر پڑھاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ریڈیو پاکستان کراچی میں عارضی ترجمان کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی یہ زندگی پہلے کے مقابلے میں بظاہر کرسی قدر فراغت اور اطمینان کی زندگی معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں ان دنوں وہ گھنٹہ بھر سے زیادہ کام کرتے تھے۔ دوشنبوں میں پڑھاتے ہیں، پھر لاکھ طالب علم کی حیثیت سے خود پڑھنے جاتے تھے۔ سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں۔

## نظر بندی، رہائی اور

### نظر بندی

۱۹۶۱ء میں جناب امان اللہ خاں نے کراچی سے انگریزی میں ایک سیاسی مہنامہ دیکھ والے آف کشمیر جاری کیا۔ بعض ناگزیر حالات کی بنا پر اسے ۱۹۶۳ء میں بند کرنا پڑا۔ یہ مہنامہ بیورو کشمیر کی آزادی کے لئے حالات سازگار بنانے کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ پھر حال انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کر لیا۔

۱۹۶۳ء میں جوں و کشمیر انڈی پیڈنس کمیٹی قائم کی گئی۔ تو امان اللہ خاں اس کے بانی ممبروں میں سے ایک تھے۔ یہ کمیٹی ریاست

گلگت کے نظریہ دہوں میں ایک نام امان اللہ خاں کا آتا ہے۔ امان اللہ خاں جوں و کشمیر قومی محاذ آزادی کی بانی کمان میں شامل ہیں اور اس تحریک کے ممتاز رہنما ہیں، جس کا مقصد گلگت اور بلتستان کے عوام کی شخصی حکومت اور آزاد نظم و استبداد سے نجات دلانا ہے۔ امان اللہ خاں ایک زعفر سیاسی رہنما ہیں۔ کراچی کے شہریوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ خلیفہ لاکھوں مخلوق جوں میں سخت مشقت کرنے کے بعد راول کو اس شہر کے فٹ پاؤں پر سو جاتی ہے، انہی میں گلگت کا ایک لاکھ امان اللہ بھی مذکور شامل رہا ہے۔ ان کے لئے کو اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا، کیونکہ اس شہر نارپساں میں وہ ایک نامور مزدور، ایک بے روزگار، ایک بے وسیلہ طالب علم اور ایک در ماندہ استاد کی زندگی گزار رہا تھا، جس کی سخت کوشش، جد آؤ اور مجلس و جوان، گلگت اور بلتستان کے عوام کا رہنما اور تحریک آزادی کشمیر کا رچ بس کارکن ہے۔

## شنا دار تعلیمی کردار

### اندوہناک سیر و زنگاری

امان اللہ خاں کی زندگی، ایک طالب علم کی حیثیت سے قابل رشک رہی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں جوں و کشمیر فیڈریشن سے میٹرک کے امتحان میں اول آئے والے طالب علم کا بہت چرچا ہوا۔ یہ طالب علم وہی امان اللہ خاں تھے، جنہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا بیشتر زمانہ مقبوضہ کشمیر میں گزارا۔ امان اللہ خاں گلگت انجمنی کے مونیٹر شینگ (الٹورس) میں ۲۴ اگست ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنے والدین کی پہلی غریبہ اولاد ہیں۔ امان اللہ اچھے دوڑی سال کے تھے کہ باب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چند ناگزیر سبب کے تحت، انہیں وادی کشمیر میں اپنی بہن کے یہاں منتقل ہونا پڑا۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے وہی حاصل کی۔ پہلی اور ثانوی کے امتحان میں امتیازی طور پر کامیاب ہوئے۔ پھر ۱۹۵۰ء میں مٹرک فارے سے میٹرک کا امتحان، شاندار طریقے سے پاس کیا۔ تعلیم جاری رکھتے ہوئے انہوں نے مری گھر کے ایس پی کالج میں داخلہ لیا۔ لیکن جنوری ۱۹۵۲ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے یہاں کچھ عرصے ایف ڈی کالج پشاور میں تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر اسی





# این ایس ایف کے امید یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ اور اساتذہ کے مطالبات کے حامی ہیں



اشفاق حسین توفیق

”میں نیشنل اسٹوڈنٹس لیڈرشپ سے شروع ہی سے متاثر تھا۔ اشتراک و تعاون بھی میری پسندیدہ تھی۔ ۱۹۷۸ء میں این ایس ایف نے ایوب آمریت کے خلاف ایک بڑے گمراہ تحریک شروع کی۔ طلباء کی جانز آواز دے دیا۔ اس کے لئے حکومت کے تمام کل فرائض سے برہنہ بھی رہ گئے۔ پورے ملک ایک ہی جہل میں تبدیل ہو گیا۔ میں این ایس ایف کی اس سنگ گمراہی میں بحیثیت ایک کارکن شامل تھا۔ یہ الفاظ سر اشفاق حسین توفیق کے ہیں جو کراچی یونیورسٹی میں یونین کی صلاحت کے لئے این ایس ایف کے امیدوار ہیں۔

سر اشفاق حسین توفیق کی عمر پندرہ سال دوم کے طالب ہیں۔ انتخابات میں جو شہرتیاز سے کامیاب ہوتے آئے ہیں۔ ان کا شمار یونیورسٹی کے ہونہد طلباء میں ہوتا ہے۔ وہ ملکی صلاحت خصوصاً معاشی اور سیاسی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ طلباء کے موجودہ تعلیمی مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اور اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ جب تک موجودہ تعلیمی اور معاشی نہالچے کو تبدیل نہیں کیا جاتا طلباء سو۔۔۔ ناخظر نہ ہوں گے۔ اور ان کے اندر بے چینی اور بے اطمینانی کسی دس شک میں موجود ہے۔ سر اشفاق حسین توفیق نے بتایا کہ تعلیمی سطح پر کراچی یونیورسٹی کے طلباء کے مسائل دور کرنے کے لئے این ایس ایف کے پاس ایک ہونہد اور جامع پروگرام ہے۔ اگر اس پروگرام پھیل گیا۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ طلباء کے مسائل کسی حد تک ختم نہ ہو جائیں۔ انہوں نے بتایا کہ اسل یونیورسٹی کے انتخابات پروگرام کے بنیاد پر ہوں گے۔ اور وہ اپنی انخالی جم کے دوران طلباء کو اپنا پروگرام با بر پیش کر رہے ہیں۔ جن میں بنیادی باتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس چائل کے مسئلہ کو فیہر جمہوری دستور کی تنسیخ اس کی جگہ نئے دستور کی تدوین اور عام جلسوں سے اس کی منظوری واضح ہے کہ ۱۹۷۲ء میں وٹس چائل نے یونیورسٹی یونین کے

جمہوری آئین کو کالعدم قرار دے کر ایک نام نہاد دی ڈی دستور مسلط کر دیا تھا۔ اور جس کی منظوری آج تک طلباء کے عام لبوس سے نہیں لی گئی۔

۲۔ موجودہ تعلیمی ڈھانچے میں بنیادی اور انقلابی تبدیلی کے لئے جدید جد اور اس کی جگہ سٹرکسٹم کا نفاذ

۳۔ ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنا ۵۰ سال قبل یونیورسٹی کو ۳۳ بسیں ملی تھیں۔ مگر ناکارہ انتظام کی وجہ سے ٹرانسپورٹ کا مسئلہ الجھتا چلا گیا۔ ان بوسوں کو یونین کے تحت چلایا جائے گا پنجاب اور پشاور یونیورسٹی کی بسیں یونین کے تحت چلی جاتی ہیں۔ اور وہاں طلباء کو ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولت حاصل ہے۔

۴۔ یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ اور یونیورسٹی کو ڈی میں تبدیلی کی کوشش۔ اساتذہ کے مطالبات کی بھرپور حمایت۔

۵۔ اس امر کی کوشش کر سٹڈیٹ کے ارکان جمہوری طریقے سے منتخب کئے جائیں۔ سٹڈیٹ کے ارکان کو دانش چائل کے انتخاب کا حق دیا جائے۔

۶۔ ڈاؤنڈیکل کالج کے طرز پر یونیورسٹی میں لینڈنگ وٹری کے قیام کی جدوجہد۔ فنڈ کے ذریعہ کتابوں کی کئی دور کی



نجم الہدیٰ جنرل میگزینری شپ کے امیدوار

نجم الہدیٰ کراچی یونیورسٹی میں شعبہ علم الادبیہ اسلامی علم کے طالب علم ہیں، نیشنل اسٹوڈنٹس لیڈرشپ کے پرائے اور سرگرم کارکن ہیں۔ اس سال یونیورسٹی کی یونین کے الیکشن میں جنرل میگزینری کے حصے کے امیدوار ہیں۔ طلباء میں بھی شہرت رکھتے ہیں اور ان کے متعلق ایک عام ٹکڑا پڑا جاتا ہے کہ یہ انتخاب جیت لیں گے۔

انہوں نے بتایا کہ دانش چائل سے متعلق جو نئے مسائل کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے قبل این ایس ایف نے طرح طرح کے مسائل پر مطالبہ کر چکا ہے۔ مگر ایسا جو اس چائل کے دانش

ہائے گی۔ برونی مالک کی لائبریریوں سے رابطہ قائم کیا جائے گا اور اس بات کی ہر گز کوشش کی جائے گی کہ یونیورسٹی میں اپنی وٹری کی ایک شاخ قائم کرنے پر رضامند ہو جائیں۔

۷۔ پراکٹو مل سسٹم کو ختم کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ طلباء میں نظم و ضبط مقرر کرنے کے ذریعہ فیکلٹی کے نمائندوں کو دے دیئے جائیں گے۔

۸۔ یونیورسٹی کی دکان یا دیگر گریڈوں کو فروغ دیا جائے گا۔

۹۔ مختلف نظریات رکھنے والے سیاسی ہٹاؤں کو مدعو کیا جائے گا۔ اور اس کی طرح صرف ایک مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لیڈروں کو رکھنے کی جو غلط روایت قائم کی گئی ہے اسے برقیق پر ختم کر دیا جائے گا۔

۱۰۔ ہوشل کے مسائل حل کئے جائیں گے۔ ہوشل کے موجودہ رخ میں کمی کرانے کی جدوجہد کی جائے گی۔

۱۱۔ یونیورسٹی کو نسل میں فیکلٹی طلباء کو نمائندگی دلائی جائے گی۔ کراچی یونیورسٹی فارن اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کو یونیورسٹی سے تسلیم کرنا اور اس تعلیم کو مالی اعادہ دلانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے گی۔

چائل کے پاس طلباء اساتذہ کی آواز سننے والے کان بند مانگے اور انہیں موجود نہیں سے دگر وہ کب تک اساتذہ اور طلباء کی جائز باتیں سنیں گے، آخر وہ کب تک ہیں اپنی جسد بدترین صحت ڈھجائیں گے اور وہ اپنی تمام بے انسانیوں میت حوام کے صحت میں کھڑے ہوں گے۔

سر نجم الہدیٰ نے کہا کہ اس بار الیکشن میں این ایس ایف کی کامیابی یقینی ہے۔ یونیورسٹی کے طلباء کے ٹکڑے ہوئے جذبات پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ یونیورسٹی کی تعلیمی فضا کو تعلیمی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ یونیورسٹی کو صلاحت اسلامی کی سرگرمیوں اور فکری شاہی کی سازشوں سے نہایت دلانے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ اور اس الیکشن میں وہ اپنے نیک عزائم برقیق پر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ طلباء چاہتے ہیں کہ یونیورسٹی ایک خود مختار ادارہ بنے، سٹڈیٹ میں طلباء ساتھ اور شہریوں کو نمائندگی دیا جائے۔ دانش چائل کو سٹڈیٹ کے نمائندے منتخب کریں۔ یونین کے لئے قابل قبول دستور تیار کیا جائے اور عام اجلاس سے اس کی منظوری لی جائے۔ بوسوں کا پورا علم مل ہو، ہر مسئلہ کے مسائل ختم ہوں، یونیورسٹی آرڈیننس منسوخ ہو، فیکلٹی میں کمی کی جائے، یونیورسٹی کے طلباء ایک عرصہ سے مسائل کی آگ میں جھلس رہے ہیں۔ اب وہ مزید جہنم کا اندیشہ نہیں رکھتے۔ انتخاب میں کامیابی کے بعد ہم فوری طور پر ان مسائل کی بہتر برقیق



# جھٹو اور عجیب کے درمیان سیاسی اور مذہبی تشابہات کا ملے

کی دوسری جماعتیں اور ان کے نمائندے اپنی سیاسی بقا کی خاطر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ایک بار پھر دو نئی پارسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

کونسل مسلم لیگ کے رہنما ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خاں نے مغربی پاکستان میں شہری حریت پسندوں کے اقدام پر جس رد عمل کا اظہار کیا ہے اس کے بجائے ڈھاکہ میں سردار شریک حسین خاں نے اس اقدام کو مذہبی بشیر یا نئے تبصرہ کیا ہے۔

## اسلام پسند کیا کہتے ہیں!

جمیٹ العلماء نے پاکستان (سیالوی گروپ) کے مولانا شہ احمد رانا نے ڈھاکہ میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ کچھ اشتراکی عناصر جو خاص طور پر مغربی پاکستان میں سرگرم عمل ہیں اشتراکی پر امن منتقلی کے خلاف ہیں۔ انہی مولانا نے اسلامی سوشلزم کے بارے میں فرمایا کہ اس کی آڑ میں اشتراکی عناصر کام کر رہے ہیں۔ لیکن جب سوشلزم کی حادی عوامی لیگ کی بات آئی تو انہوں نے فرمایا کہ دوسرے اور عوامی لیگ کے سربراہ کے خیالات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انہوں نے جناب بھٹو پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پارٹی کو تقاضا دینا ان کی حمایت حاصل ہے۔ اور یہ کہا کہ قادیانوں کی ایک شاخ مثل ایب میں بھی قائم ہے۔

اس طرح جماعت اسلامی کی حامی طلباء تنظیم اسلامی جمیعت طلباء کے نئے صدر جناب مطیع الرحمن نظامی نے ۳ نومبر کو ڈھاکہ کے رہنما ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خاں میں انکشاف کیا کہ بھارتی طلباء انہوں نے دارالافتاء جنوں کشمیری کوئی اتحاد دوسرے سے نہیں ہے۔ اور وہ لوگ غلط طور پر اپنے آپ کا سائنس تعلیم کے اعلان بتاتے ہیں۔ اسلامی جمیعت طلباء کے صدر نے ایئر مارشل نور خاں میں بھارتی طلباء کے اتحاد کی مذمت کرتے ہوئے اس واقعہ کو جمہوریت کی بحالی کی راہ میں نکالٹ قرار دیا۔

جمہوریت کی بحالی کے سلسلے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم اس واقعہ پر کسی قسم کا تبصرہ نہیں کر سکتے۔ غیر صرف مشرقی پاکستان کے رد عمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ عوامی لیگ کے ایک ترجمان کے مطابق بھارتی طلباء کے اتحاد اور اس کی تباہی کا واقعہ ایک ایسے موقع پر رونما ہوا ہے جب عوامی لیگ کی جانب سے قومی اسمبلی کا اجلاس ۱۵ دسمبر کو بلانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ لیکن اس واقعہ کے بعد صورت حال کو جس طرح لکھتے ہیں کہ کوشش کی جارہی ہے۔ اس سے یہ غرض نہ حق چھوڑا ہے کہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں مزید تاخیر ہوگی جو کسی صورت میں بھی مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے متاثری قبول نہیں ہوگا۔ عوامی لیگ کے اس ترجمان کے مطابق ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت نے مسئلہ کشمیر کو کبھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور اس پارٹی نے انتخاب سے قبل اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کیا تھا اس میں بڑی وضاحت سے اس تناظر مسئلہ کے حل پر زور دیا ہے لہذا عوامی لیگ کو یہ موقع فراہم کئے بغیر کہ وہ دستور سازی اور عوامی حکومت کے قیام کے بعد اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف توجہ دیتی۔ ملک میں ایک ایسی صورت حال پیدا کر دینا جو مسئلہ کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دے اور مستقبل کی عوامی حکومت کے لئے مزید مسئلہ کھڑے کرنے۔ نمائندہ اور سیاسی حکمت عملی کے منافی ہے

## طلباء کے اغوا پر عوامی لیگ کا رد عمل

طلباء کے اغوا اور اس کی تباہی پر عوامی لیگ کے رد عمل کے چوکس بنیدہ سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ ماضی میں مشرقی پاکستان کے عوام کا نہ صرف یہ کہ ملک کے ٹھیک بھر مفاد پرستوں، اچار دار سرمایہ داروں اور سامراجی ایجنٹوں نے جی بھر کر استحصال کیا بلکہ ان کے اور مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان نفرت اور عداوت کی غلیچ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے ۳۰ سال تک وہ اپنے سیاسی گناہوں اور نام نہاد اسلام پسندوں کو بھی استعمال کرتے رہے۔ سیاسی رہنماؤں، عوامی حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کے لہانے میں یہ سامراجی اور مفاد پرست ایجنٹ ۳۰ سال تک مغربی اور مشرقی بازو کے مظالم عوام کے فکری اتحاد پر لٹا لٹاتے رہے یہی مفاد پرست ٹولہ آج بھی اپنی کوششوں میں سرگرم ہے اور آج نہ صرف ایک مسئلہ کشمیر بلکہ ملک کو درپیش تمام بنیادی اور کلیدی مسائل کو دونوں بازوؤں میں اچھالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور دونوں بازوؤں کے عوام کے سامنے صورت حال کی ایک انگ تبصرہ پیش کی جارہی ہیں۔ چنانچہ کونسل مسلم لیگ جمیٹ العلماء نے پاکستان (سیالوی گروپ) جماعت اسلامی اور اس قسم

اس صورت حال کے پس منظر میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جمہوریت کی بحالی کے نام پر ماضی میں جمہوریت اور عوام دشمنی کے مرتکب افراد اور طبقے آج بھی مشرقی اور مغربی بازو کے درمیان غلط فہمی اور شکوک و شبہات پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس کوشش میں انہوں نے اپنی ساری توجہ اور حکمت عوامی لیگ کی طرف منتقل کر دی ہے۔ لیکن عوامی لیگ کی مرکزی قیادت بھی یہی طرح محسوس کر رہی ہے کہ ان کی حمایت غلوں اور عوام دشمنی پر نہیں بلکہ بعض بھٹو پرستی ہے۔ کیوں کہ بھٹو اور عجیب کی سیاسی پارٹیوں کے درمیان بالائے حد دیگر مغربی اور مشرقی بازو کے درمیان حالیہ قومی انتخابات کے بعد اگر کوئی مشترک سیاسی اندیشہ رہتا ہے اگر حواس توف سوشلزم سے حدیث امراجی ایجنٹ لفظ سوشلزم ہی کو اپنے لئے صحت پابراہنہ سمجھتے ہیں۔

## ”سیاسی سمجھوتہ“

ان حالات میں اب دیکھنا یہ ہے کہ عوامی لیگ کے اہم لیڈر قومی و صوبائی اسمبلی کے اراکین اور صوبائی قومی مجلس عاملہ جب ہمارے قومی سے ملک کو درپیش موجودہ سیاسی اور اقتصادی اور دستوری مسائل پر چند عرض کا آغاز کرے گی تو کیا وہ جمہوریت کی بحالی کے نام پر اس حد تک جھک جائے گی کہ ماضی میں ملک کے دونوں انڈوں کے عوام کے فکری اتحاد پر ٹوڑا ڈالنے اور عوام دشمن کردار ادا کرنے والوں نے سیاسی سمجھوتہ کرے؟ یا پھر مستحکم عوام درست اور دیر پا جمہوریت کے قیام کی خاطر ان سیاسی رہنماؤں کا اشتراک و تعاون حاصل کرے گی۔ عوامی لیگ ہی کی طرح عوام دوستی کے باعث گذشتہ ۲۳ سال کے دوران سب طرح اور اس کے ایجنٹوں کے جناب کا شکار ہوئے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات کے لئے ہمیں عوامی لیگ کے ان فیصلوں کا انتظار کرنا ہوگا جو وہ اپنے ۴۳ اور ۴۴ نمبروں کے اجلاس میں کریگی۔

## انگلستان کے رہنے والے

برہنہ کا تازہ میل دہرا رہنے ستی دکاندار سے حاصل کریں۔

پورے انگلستان کے لئے ڈسٹری بیوٹر۔

## اقبال کمپنی لمیٹڈ شالامار ہاؤس

HESSEL STREET, LONDON, E. 1. TEL: 01-709 0144



# ہماری منزل سائنٹفک سوشلزم ہے



پر ڈال کر سڑک کو تنہا کر دینا کی کوشش کی ہے۔ جو بخواس  
منفون پر کسی مصنف کا نام تحریر نہیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ  
یہ ادارہ کا اپنا سرکاری "موقت ہے"۔

پچھلے چند دنوں کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے  
کہ یہ سلسلہ اتنا سادہ نہیں جیسے چند بڑے بڑے سیاست دان  
کا مشورہ "سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جائے" اس  
سلسلے میں چند نام ہمارے ترقی پسند افراد کو ذکر بھی کروں گا۔ جو  
سندھی رائج کرنے کے لئے حیدر آباد بورڈ کے بیٹھے پر تو خاموش  
ہیں، البتہ اردو کے حامیوں کے تشدد پسند رویہ پر معترض ہیں  
اور مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ خاموشی ناشانی بنے رہیں۔

ادراہر دو گھر کی زبان اقلیتی زبان اور اس طرح کی مدد سے  
کوششوں کو برداشت کر لیں۔ شیخ ایاز صاحب نے اردو  
کو لاہوتی پنجابی اور پشتو کے برابر درجہ عطا فرمایا ہے اور  
سندھی کی "اقلیتی زبانوں" میں اس کا شہر کیا ہے۔ جب کہ اردو  
بڑے دالوں کی آبادی سندھ میں تقریباً نصف ہے اور اردو  
سمجھنے والوں کی تعداد تقریباً سو فیصدی ہے اس کے علاوہ  
انہوں نے انگریزی کو رائج زبان قرار دیا ہے۔ اور اس طرح

بہاؤ الدین علی صاحب نے اس کی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھنے کی حمایت  
کی ہے۔ لیکن تمام تر ان زبانوں کی ترقی و ترقی پسندی کی حمایت  
ان حضرات سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ اردو کی صرف ممبران  
بلکہ قومی حیثیت سے انکار کر کے اور انگریزی کی بہاؤ الدین  
حمایت کر کے کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں کے متعدد  
رہنماؤں کی تقریروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اردو دشمنی میں  
جہادیم بند گدے کی طرح کم نہیں شلہ سٹیشن رئیس امرہوی  
میں رسول بخش ناچوڑ کا یہ مشورہ کہ اردو کے حامی ہنگامے

دیکھیں اور مخالفت کے ذریعے لسانی سڑک کا حل تلاش کریں  
جب کہ حیدر آباد بورڈ کے فیصلوں پر انہوں نے کوئی رد عمل ظاہر  
نہیں کیا۔ اس کے علاوہ حاکم علی نوری کا بیان بھی اخبارات میں  
چھپا ہے جس میں انہوں نے اردو کو "غیر ملکی" زبان قرار دیا  
ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس زبان کو قوم کے بیٹوں نے قومی زبان  
کا درجہ دیا ہے اور جو سندھ میں آباد نصرت آباد کی مادری  
زبان ہو گیا آئے "غیر ملکی زبان قرار دینے والے کی محنت

اور نیت دونوں مشکوک نہیں؟ ان بیانات سے صاف ظاہر ہے  
کہ یہ لوگ سندھی کو پوری سندھی آبادی پر حق پرستی کی کوشش  
بالواسطہ طور پر نہایت چالاک کے ساتھ سندھی انتہا پسندوں  
کی آڑے کر کے رہے ہیں۔

(عبدالستار شیخ - کراچی)

سب سے پہلے ہمیں جمہوری آزادی کی ضرورت ہے تب کہیں  
ہمارے سائنٹفک سوشلزم کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب  
ہو سکیں گے۔ اب ۲۳ سال بعد خدا خدا کر کے جمہوری آزادی  
ملنے کی امید پیدا ہوئی ہے اور توقع ہوئی ہے کہ ماؤشل لا  
ریگولیشنوں اور سیفیٹی اور سیکیورٹی ایکٹوں سے نجات حاصل  
کے کہ ہم سائنٹفک سوشلزم کے لئے جدوجہد شروع کر سکیں  
گے، جس جدوجہد کی رہنمائی ملک کے مزدور کسان اور دانشور  
کریں گے۔ آخری فتح سائنٹفک سوشلزم کی ہوگی، دیکھ ڈیروں  
کہہ لئے ہوئے "اسلامی سوشلزم" کی۔

سپیل اختر - لیاقت کالونی  
حیدر آباد

## سندھ کی سرکاری زبان 'سندھی' ہوگی

آپ کے نماندہ خصوصی نے یکم فروری کے شمارے  
میں زبان کے مسئلہ پر جو رپورٹ حیدر آباد سے پیش کی ہے وہ  
سراسر جانبداری پر مبنی ہے۔

سندھ یونیورسٹی سٹڈنٹ کیٹ نے جو قرارداد منظور کی  
ہے وہ حق و انصاف پر مبنی ہے دن یونٹ سے پہلے سندھی زبان  
سندھ یونیورسٹی کی کاروباری اور اندرونی خط و مخاطبت کی زبان  
تھی لیکن دن یونٹ کے بعد ایک منظم سازش کے تحت سندھی  
زبان کو نظر انداز کر کے آہستہ آہستہ اس کی جگہ اردو زبان کو مسلط  
کر دیا گیا۔ آج کل ہر آدمی ترقی پسندی اور سوشلزم کا دعویٰ ہار  
بنا چھڑا ہے۔ یہ کہاں کی ترقی پسندی ہے کہ زبان کو نظر میں نہ  
آئی کی فکر کی خاطر ہر مخالفت اور اندرونی حمایت کر کے

سندھی زبان کے خلاف صفحہ کے صفحہ سیاہ کئے جائیں یہ کہاں  
کا سوشلزم ہے کہ سندھ کی پانچ ہزار سالہ پانی زبان کے ساتھ ایک  
نئی زبان کو دھاندل کر کے اس کو سندھی زبان کے ساتھ کا درجہ  
دے دیا جائے سندھ میں صرف سندھی زبان کو سندھی کی سرکاری  
اور دفتری زبان بنانے کا حق حاصل ہے۔ بلوگ قوموں کا حق  
خود اختیاری تسلیم نہیں کرتے اور علاقائی زبان اور ثقافت  
کی ظاہری حمایت اور درپردہ مخالفت کرتے ہیں وہ ہرگز  
ترقی پسند اور دانشور کی نہیں کہلائے جاسکتے۔

دراجہ یار محمد یار، ٹنڈو محمد خان

## یہ محض ناکام سیاست دانوں کی سازش

دہلی دہندہ ۲۱۔ جنوری میں آپ نے "کچھ" اردو سندھی تنازعہ  
پر اظہارِ خیال کیا ہے اور اس کا الزام پیش کر کے سیاست دانوں

کو قوت اور صوبائی اسمبلی کے انتخابی نتائج کا تجزیہ لیں نہاد  
کے بعض مضامین میں اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا مختلف سیاسی  
پارٹیوں کی طاقت کا اصل پیمانہ ان کی حاصل کردہ نشستیں ہی ہیں  
یہ ایک سطحی قسم کا تجزیہ ہے۔ صحیح تجزیے کے لئے پارٹیوں کی محال  
کردہ نشستوں کے علاوہ ان کی حکمت عملی کو بھی سامنے رکھنا  
ضروری ہے۔

مثال کے طور پر ملک کی دونوں کامیاب سیاسی پارٹیوں  
نے یعنی عوامی لیگ اور سپر پانڈی نے صرف الیکشن جیتنے کے  
لئے اپنے اصولوں کو ترک کر کے موقع پرستی سے کام لیا۔ چنانچہ  
عجیب الرحمن صاحب نے مشرقی پاکستان کے عوام کی بد حالی کا  
سبب سرمایہ داری، جاگیر داری اور زمینداروں کی گورائے کی بجائے

پورے مغربی پاکستان کو زمینداروں کا ٹھکانہ قرار دیا لیکن الیکشن کے ذریعہ  
بعد بنگلہ دیش کا گروہ ملک کر کے پاکستان زندہ باد کا نعرہ اختیار  
کر لیا۔ بھٹو صاحب الیکشن سے پہلے تو سوشلزم کا نعرہ دھکتے تھے  
لیکن الیکشن کے فوراً بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ کینوزم کے خلاف  
ہر حکم سے جو عائد کیا ہے۔ وہ اس معاملے میں امریکہ سے بھی  
آگے کی روایت ہو کر کینوزم ابھی دنیا کے کسی ملک میں بھی موجود  
نہیں اور امریکہ کا محاذ سوشلزم ہی کے خلاف ہے۔

میرا مقصد یہ دو شایہ پیش کر کے مذکورہ پارٹیوں کو بنام  
کرنا نہیں ہے بلکہ اس قانون و نظریہ کا اظہار ہے کہ موقع پرست  
سیاسی پارٹیوں کی طاقت زیادہ پائیدار نہیں ہوتی۔ اس کے  
برعکس جن پارٹیوں کا پرانہ منظم مصلحت کی صحیح رہنمائی کرتا  
ہے باوجود عوام انہی پارٹیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ مثلاً شیخ  
عجیب الرحمن صاحب کے کچھ نکات میں صرف قومی سرمایہ دالوں  
کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق  
کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ لہذا عوامی لیگ مزدوروں  
اور کسانوں کے حقوق سے غفلت برت کر زیادہ حوصلہ پر اعتماد  
نہیں رہ سکتی۔ اور بھٹو صاحب جو اپنی پارٹی کے جاگیر دالوں اور  
سرمایہ داروں کے حقوق ملک میں سوشلزم لانا چاہتے ہیں

میرے نزدیک ان کی یہ خردہ سرمائی قوم کے لئے طبعی تسلی سے  
زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسائل کا حل سائنٹفک  
سوشلزم ہے نہ کہ نام نہاد اسلامی سوشلزم۔ اور سائنٹفک  
سوشلزم کی منزل ملک پہنچنے کے لئے قوم کو ایک طویل اور نظم  
جدوجہد سے گزرنے کی ضرورت ہے اور حالات یہ ہیں  
کہ ابھی ہمیں جدوجہد کرنے کی آزادی بھی نصیب نہیں ٹھنڈا

۲۱ تا ۲۱ فروری ۱۹۷۱ء



کلمہ الحسن نقوی پڑھا انیس اتمی بیشتر انجمن میں جس کا ذکر ذقیریل و نہار فطرت منزل و غرطزل کمال مر مالی ہی کی کہ جس کی و اڑا شائع ہوا۔



# پیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

مزدور رہنماؤں کا اجتماع



محمد یامین



ڈاکٹر شہداء عزت ظہیر



علی اکبر خان



مستر عوث علی



فضل الرحمان



مستر علی اکبر خان،  
وایت پاکستان،  
مستر راجہ حسین



# پنی آتی اے آر سی ڈی ممالک کے دارالخلافوں کو قریب سے قریب تر کر رہی ہے



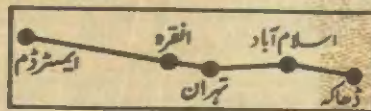
انقرہ

تہران

اسلام آباد

## ایک نئی براہ راست اور تیز رفتار پرواز

پنی آتی اے کی پرواز اب اسلام آباد - تہران اور انقرہ کے درمیان ہر جمعہ کو روانہ ہوا کرے گی۔  
مشرق میں پنی آتی اے کی اس تیز رفتار پرواز کے ذریعہ پہلی بار ڈھاکہ کو اسلام آباد سے براہ راست ملایا جا رہا ہے۔ اور مغرب میں ایسٹرن ڈم تک فضائی سروس میں توسیع کی جا رہی ہے۔  
جہاں سے یورپ کے تمام ممالک کے لئے فضائی سروس بہ آسانی فراہم ہو سکتی ہے۔  
پنی آتی اے کے سفر کے دوران آپ ہماری مہمان نوازی، خاطر تواضع اور ملحق کارروائی آغاز پائیں گے۔



زیر تعمیرات کیلئے نئے ٹرانسپورٹ ایکسپریس سے آئیں اور جہاں فرمائیں  
پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز

PIA

161 - 100 - 4070